ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
اگست ۱۹۸۵ء

نونہال
ہمدرد گرائپ واٹر

بچوں کی صحت
بہتر پرورش

نونہال ہمدرد گرائپ واٹر بچّوں کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بےخوابی پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

نونہال
ہمدرد گرائپ واٹر

بچّوں کو مطمئن، مسرور اور صحّت مند رکھتا ہے

فون: 616001 سے 616005 (۵ لائنیں)

ماہنامہ
ہمدرد
نونہال
رُکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی

مجلس ادارت

صدر مجلس حکیم محمد سعید
مُدیر اعلا مسعود احمد برکاتی
مدیرۂ اعزازی سعدیہ راشد

ذیقعد ——۱۴۰۵ ہجری
اگست ——۱۹۸۵ عیسوی
جلد —— ۳۳
شمارہ —— ۸

قیمت —— ۴/- رُپے
سالانہ —— ۴۵/- رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۸۱/- رُپے

پتا: ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۵
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۶
آزادی کا دن (نظم)	جناب غنی دہلوی	۷
سدا بہار قصے	ادارہ	۹
جان صاحب	ادارہ	۱۱
کھلاڑی کو ۱۳ (نظم)	جناب فیض لودھیانوی	۱۷
تحفے	باذوق نونہال	۱۹
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۲۳
کارٹون	جناب مشتاق	۲۸
علم کی روشنی (نظم)	جناب واقف جے پوری	۲۹
پیدل چلنا بھی ایک کھیل ہے	جناب ساجد علی ساجد	۳۰
یوں بھی ہوتا ہے	جناب میرزا ادیب	۳۳
انوکھا کھلونا	جناب شاکر عثمانی	۳۹
مسٹر ڈرپوک	جناب مہروز اقبال	۴۴
ہمدرد انسائکلوپیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۴۹
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۵۳
اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۵۴
بادشاہ اور شہزادہ	جناب علی اسد	۵۷
معلوماتِ عامہ نمبر ۲۳۲	ادارہ	۷۱
صحت مند نونہال	ادارہ	۷۲
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۷۵
بوجھو تو جانیں	ادارہ	۷۹
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۸۰
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۱
بزمِ نونہال	نونہال پڑھنے والے	۱۰۱
معلوماتِ عامہ نمبر ۲۳۰ کے جوابات	ادارہ	۱۰۷

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جاگو جگاؤ

دنیا میں آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے اس کو سماجی حیوان کہا گیا ہے۔ انسان کو قدم قدم پر دوسرے انسانوں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ماں باپ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی سچا ہمدرد، غم خوار، بھلائی دینے والا اور کام آنے والا نہیں ہو سکتا۔ ذرا سوچو کسی دوسرے کے بچے کو تھوڑی دیر ہی برداشت کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے، لیکن ماں باپ بچپن سے لے کر جوان ہونے تک جس طرح ہر وقت، ہر لمحے اولاد کی دیکھ بھال، خدمت اور نگرانی کرتے ہیں وہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ راتوں کو جاگنا، دن بھر مستعد رہنا، گرمی، سردی، برسات ہر حال میں خدمت کرنا، اپنی ضرورت کی پروا نہ کرکے بچے کے آرام اور راحت کا خیال رکھنا، اپنے پاس ہو نہ ہو بچے کی ہر ضرورت پوری کرنا، اس کے لیے اچھی سے اچھی چیز مہیا کرنا۔ یہ سب صرف اور صرف ماں باپ ہی کر سکتے ہیں۔ اسی لیے ماں باپ کی اطاعت اور خدمت بھی ہم پر فرض کی گئی ہے۔ اور اُن سے حُسنِ سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہادی اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے پوچھا، یا رسول اللہؐ! میں کس کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا، اپنی ماں کے ساتھ۔ دوبارہ عرض کیا، اس کے بعد کس کے ساتھ حُسنِ سلوک کروں؟ آپؐ نے پھر فرمایا، اپنی ماں کے ساتھ۔ صحابی نے تیسری بار پھر عرض کیا، اس کے بعد پھر کس کے ساتھ اچھا برتاؤ کروں؟ آپؐ کا ارشاد پھر وہی تھا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ چوتھی بار بھی جب یہی سوال دُہرایا گیا تو آپؐ کا جواب تھا، اپنے باپ کے ساتھ۔ پھر جو زیادہ قریب ہو، اس کے بعد درجہ بہ درجہ جو قریب ہو۔ رسول اکرمؐ کے اس ارشاد سے ماں باپ خاص طور پر ماں کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضورؐ نے یہ فرمایا ہے کہ ماں کے پیر کے نیچے جنت ہے۔ جو نونہال ماں باپ کا کہنا مانتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں وہ کامیاب اور خوش رہتے ہیں۔

تمہارا دوست اور ہمدرد

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ
پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ - کراچی ۳

786/PPP-16/84

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

لیجیے، اگست کا شمارہ پڑھیے اور پھر خاص نمبر کا انتظار کیجیے۔ آخر خاص نمبر بھی سر پر آ ہی گیا۔ اب وقت کم رہ گیا ہے اور خاص نمبر خاص نمبر ہی ہوتا ہے۔ اس کے لیے خصوصی محنت کرنی پڑتی ہے۔ رات دن کام کرنا پڑتا ہے، سوچنا پڑتا ہے، عمدہ عمدہ چیزیں تلاش کرنی پڑتی ہیں۔ لکھنا پڑتا ہے، لکھوانا پڑتا ہے، پھر بھی ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں نونہالوں کو پسند نہ آئے اور ہماری محنت اکارت جائے۔ اگرچہ اب تک ایسا ہوا نہیں ہے۔ نونہالوں نے ہمدرد نونہال کو پسند ہی کیا ہے۔ اُن کے اور ہمارے بزرگوں نے بھی ہمّت بڑھائی ہے، لیکن جیسے جیسے رسالے کی اشاعت بڑھتی جا رہی ہے، ہماری ذمہ داریاں بڑھتی جا رہی ہیں اور ہمیں زیادہ احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم اپنے لاکھوں پڑھنے والوں کی دل چسپی کا پورا خیال رکھیں۔ ہمدرد نونہال کی اشاعت بڑھنے سے ایک بات یہ ہوئی ہے کہ اس میں چھپنے کی خواہش رکھنے والے نونہالوں کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے۔ ہماری کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ نونہالوں کی چیزیں چھاپیں، لیکن سب کی چیزیں چھاپنا ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی جن کی تحریر نہ چھپے وہ ناراض ہوتے ہیں۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ جو نونہال بھی اپنی تحریر بھیجے ہم اُسے سوچے سمجھے بغیر چھاپ دیں۔ اس کے بعد رسالہ جو کچھ بنے گا اُس کو آپ بے کار، خشک، غیر معیاری اور اسی قسم کے خطابات سے نوازیں گے تو نہیں؟ نونہال ایک بات اگر سمجھ لیں تو بہت اچھا ہے، ہمدرد نونہال آپ کے پڑھنے کے لیے ہے اور اس لیے ہے کہ آپ اس کو پڑھ کر ملک اور قوم اور انسانیت کے لیے مفید بنیں اور اپنے اور اپنے خاندان کے لیے قابلِ فخر بنیں۔ رہا اس میں نونہالوں کی تحریریں چھپنے کا سوال تو یہ شوق بھی ایک حد تک پورا ہو سکتا ہے، لیکن اگر آپ کو یہ رسالہ پسند ہے تو اسے پڑھیے، لُطف لیجیے، فائدہ اٹھائیے۔ اچھی تحریر پڑھنے میں جو مزہ آتا ہے وہ بہت کم چیزوں میں آتا ہے۔ نونہالوں کے شکایتی خطوں سے ہمارا کام اور بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں رسالے کو عمدہ بنانے پر توجہ کرنے دیں۔

ایک خوش خبری یہ ہے کہ ہمدرد فاؤنڈیشن نے خاص نمبر کی قیمت بڑھانے کے بجائے کچھ اور کم کر دی ہے، تاکہ علم کی روشنی زیادہ سے زیادہ پھیلے۔ اچھّا اب خاص نمبر کی تیاری کے لیے اجازت دیجیے۔

خیال کے پھول

* حضورِ اکرمؐ

معدہ تمام بیماریوں کی جڑ ہے اور پرہیز و احتیاط تمام علاجوں کی اصل۔

مرسلہ، شائستہ بیگم، ملیر کالونی

* حضرت علیؓ

بھوکے کو کھانا کھلانا، حاجت مند کی حاجت روائی کرنا، دشمن کے ساتھ اچھا سلوک کرنا نفس کی زینت ہے۔

مرسلہ: تحسین یسین، کراچی

* حضرت عثمان غنیؓ

حاسد تمھاری خوشی سے غم گین ہوتا ہے، یہ اس کے لیے کافی ہے۔ تمھیں انتقام کی ضرورت نہیں، وہ خود ہی اپنی آگ میں جل رہا ہے۔

مرسلہ: طیبہ صدیقہ، ساہی وال

* حضرت ابوذر غفاریؓ

انسانوں سے محبت کرنا درحقیقت خدا سے محبت کرنا ہے۔

مرسلہ: ساجدہ حفیظ، حیدر آباد

* حسن بصریؒ

جھوٹا سب سے پہلے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

مرسلہ: نازش ہاشمی، کراچی

* مامون رشید

جب تم دیکھو کہ غصہ تم پر غالب آرہا ہے تو تم خاموشی اختیار کرو۔

* والٹیر

"سستی اور عدم" دونوں لفظوں کے معنی گویا ایک ہی ہیں۔

مرسلہ: مسعود احمد، حیدر آباد

* بطلیموس

انسان کی زندگی دنیا میں اس شمع کی مانند ہے جو ہوا میں رکھ دی گئی ہے۔

* شیکسپیئر

دیو کی طرح طاقت ور ہونا بڑی اچھی بات ہے، لیکن طاقت کو دیو کی طرح استعمال کرنا ظلم ہے۔

مرسلہ: ظہیر حسن، لاہور

* گولڈ اسمتھ

مجھے ہر اُس چیز سے لگاؤ ہے جو پرانی ہو، پرانے دوست، پرانی کتابیں، پرانے زمانے، پرانی بیوی۔

مرسلہ، سید فیصل حسین، کراچی

* شیکسپیئر

اُونچے پہاڑ پر جانے کے لیے آہستہ آہستہ چڑھنا پڑتا ہے۔

مرسلہ: اجمیر خان، کراچی

*

آزادی کا دن

غنی دہلوی

چلو پرچم فضا میں لہلہائیں
ہم اپنا قومی نغمہ مل کے گائیں
بہارِ جشنِ آزادی منائیں

خوشی کا اور بیداری کا دن ہے
یہ بچّو اپنی آزادی کا دن ہے

وطن کے بام و در مل کر سجاؤ
وطن کے گوشہ گوشہ کو جگاؤ
تم اپنے ملک کو دلہن بناؤ

خوشی کا اور بیداری کا دن ہے
یہ بچّو اپنی آزادی کا دن ہے

یقیناً حوصلہ روشن تمہارا
جہاں میں عزم و ہمّت آشکارا
بلندی پر ہے قسمت کا ستارا

خوشی کا اور بیداری کا دن ہے
یہ بچّو اپنی آزادی کا دن ہے

تمہارے لب سے ہے شانِ تبسّم
تمہاری گفت گو حُسنِ تکلّم
وطن تم اور وطن کی آبرو تم

خوشی کا اور بیداری کا دن ہے
یہ بچّو اپنی آزادی کا دن ہے

نظر سیراب ہے اور دل غنی ہے
ہر سو زندگی ہی زندگی ہے
یہاں کس بات کی کوئی کمی ہے

خوشی کا اور بیداری کا دن ہے
یہ بچّو اپنی آزادی کا دن ہے

اِک نیا معیار
ڈیزائن بیشمار
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل
Goldfish
DELUXE PENCIL
بین الاقوامی معیار کے مُطابق دیدہ زیب
ڈیزائنوں میں اپنی نوعیت کی واحد
گولڈفِش ڈیلکس پینسل —
دیکھنے میں دلکش استعمال میں بہترین
گولڈفِش ڈیلکس پینسل
ہر دکان/اسٹور اور اسٹیشنرز سے
دستیاب ہیں۔
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸-ایس-آئی-ٹی-ای-کراچی
فون: ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲

Midas Khi

سدابہار قصّے

سلطان اور درویش

سلطان محمود غزنوی اپنے زمانے کا بڑی شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں صوبہ جرجان کے ایک مقام خرقان میں اللّٰہ کے ایک نیک بندے ابوالحسن خرقانی رہا کرتے تھے۔ ان کی نیکی اور پارسائی کی دھوم تھی۔ سلطان کا جی چاہتا تھا کہ شیخ صاحب کی دعائیں حاصل کرے، لیکن جب یہ سوچتا کہ میں اتنا بڑا بادشاہ ہوں، ایک درویش کے ہاں چل کر کیسے جاؤں، لوگ کیا کہیں گے تو اس کا ارادہ ملتوی ہو جاتا۔

کچھ مدّت اسی کش مکش میں گزری۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ شکار اور سرکش عناصر کی سرکوبی کا بہانہ بنا کر خرقان پہنچا۔ وہاں پھر غرور کا اس پر غلبہ ہوا۔ ایک خادم کو سکھا پڑھا کر بھیجا کہ شیخ سے جا کر کہے کہ سلطان غزنی سے آپ کی زیارت کو آیا ہے، آپ بھی چند قدم چل کر اس کا استقبال کر لیں۔ شیخ صاحب نے کہا "مجھے معاف رکھو"۔ یہ چال ناکام ہوئی تو سلطان نے سوچا کہ شیخ کی آزمائش کرنی چاہیے۔ کہیں ویسے ہی شیخ نہ بن بیٹھے ہوں۔

چناں چہ محمود غزنوی نے چند عورتوں کو مردوں کا لباس پہنا کر ساتھ لیا۔ خود اپنے غلام ایاز کا لباس پہنا اور ایاز کو اپنا لباس پہنا کر شیخ صاحب کے ہاں پہنچا۔ ابوالحسن خرقانی نے بیٹھے بیٹھے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد محمود کا ہاتھ پکڑ کر مسند پر بٹھایا، حال آنکہ محمود ایک غلام کے لباس میں تھا۔ ایاز کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کے بعد محمود کو ہدایت کی کہ نامحرموں کو واپس کر دے۔

سلطان نے جو کچھ کہ دیکھا اور سُنا اس سے اسے یقین ہو گیا کہ شیخ خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ اُن سے معافی چاہی اور نصیحت کرنے کی درخواست کی۔ ان کے ارشادات کو دل میں جگہ دی۔ روانگی کے وقت شیخ ابوالحسن خرقانی نے سلطان محمود کو اپنی گدڑی عنایت فرمائی۔

بادشاہ کا حکم غلط، قاضی کا حکم درست

بادشاہ ملک شاہ سلجوقی نیشاپور میں تھا کہ رمضان کی ۲۹ ویں تاریخ آپہنچی خوشامدیوں نے سرِشام جھوٹ موٹ چاند ہونے کا شور برپا کر دیا۔ سلطان نے اگرچہ خود اپنی آنکھوں سے چاند نہیں دیکھا، لیکن مُصاحبوں کے اصرار پر حکم دے دیا کہ کل عید ہوگی۔

شہر کے قاضی ابوالمعالی تھے جو امام حرمین کے لقب سے مشہور ہیں، کیوں کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں جگہ آپ اپنے علم، پارسائی اور تصنیفات کی وجہ سے مشہور ہوتے تھے۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ چاند کو دیکھے بغیر عید کا اعلان کر دیا گیا ہے تو لوگوں کو گناہ سے بچانے کے لیے انھوں نے اپنی طرف سے مُنادی کرادی کہ قاضی ابوالمعالی کا فیصلہ یہ ہے کہ چاند نہیں ہوا اور کل عید نہیں ہوگی۔ بات لے جانے والے فوراً بادشاہ تک پہنچے۔ اُن کے کان بھرے کہ ابوالمعالی آپ کی برابری کے دعوے دار ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ وہ حکومت سے بدگمان ہیں۔ بعض نے ان کے عقائد پر بھی تنقید کی۔ انھیں دربار میں بُلوایا گیا۔ موقع ایسا تھا کہ اگر قاضی صاحب درباری لباس پہنتے تو بہت وقت لگتا۔ اس لیے جو لباس عام طور پر پہنا کرتے تھے اُسی میں دربار میں آگئے۔ درباریوں کو ایک اور بات ہاتھ آئی۔ کہا کہ قاضی اب دربار کے آداب سے بھی غافل ہو گئے ہیں۔ بادشاہ نے پہلے درباری لباس نہ پہننے کی وجہ پوچھی۔ قاضی صاحب نے کہا، "اس کے دو جواب ہیں۔ شرعی جواب تو یہ ہے کہ میں دونوں جہان کے بادشاہ کے دربار میں اسی لباس میں جاتا ہوں، اس لیے اس لباس میں کوئی خرابی نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا حکم پہنچا تو میں نے سوچا اگر درباری لباس پہنوں تو وقت لگے گا اور آپ کے حکم کی تعمیل میں دیر لگے گی، اس لیے اسی لباس میں چلا آیا۔

اعلانِ عید کے بارے میں قاضی صاحب نے فرمایا کہ ملکی اور انتظامی معاملات کے مختار آپ ہیں۔ اس میں میری کیا مجال کہ دخل دوں، لیکن خدا اور رسولؐ کی شرع کے معاملے میں قاضی کا فیصلہ چلتا ہے اور قاضی کو آپ ہی نے مقرر کیا ہے۔ بادشاہ نے یہ سُن کر اعلان کرایا کہ عید کے بارے میں بادشاہ کا حکم غلط اور قاضی کا حکم درست ہے۔

جان صاحب

تحریر: مناظر صدیقی

عطیہ بڑی پیاری سی بچی تھی۔ اس کی عمر دس گیارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ شہر کے ایک اچھے اسکول میں پڑھتی تھی، لیکن چھٹیوں میں وہ اپنے گاؤں چلی جاتی۔ گاؤں میں اس کے والد کی بہت سی زمینیں تھیں، جن پر کھیت بھی تھے باغ بھی۔ ہرے بھرے گھاس کے میدان بھی تھے۔ وہ سندھ کے ایک بڑے زمین دار تھے۔ ان کی ہزاروں ایکڑ زمین کی دیکھ بھال دوسرے آدمی کرتے تھے۔ عطیہ کے ابّو کا کاروبار شہر میں بھی تھا، لیکن وہ زیادہ وقت اپنی زمینوں پر ہی رہتے تھے۔ کھیتوں اور باغوں پر کام کرنے والے آدمیوں کا ہاتھ بٹاتے۔ وہ بہت نیک آدمی تھے۔ وہ جب کھیت میں ہوتے یا کسی باغ میں ہوتے تو کوئی انھیں پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ زمین دار ہیں۔ کسانوں کے ساتھ مل کر کام کرتے۔ انھوں نے اپنی زمینوں پر ہل چلانے کے لیے ٹریکٹر خرید لیے تھے اور زراعت کی دوسری مشینیں بھی خرید رکھی تھیں۔ اس طرح کھیت پر کام کرنے والوں کو بھی سہولت ہو گئی تھی۔ اور اناج بھی زیادہ پیدا ہوتا تھا۔ ٹریکٹروں اور ٹرکوں کے باوجود ان کے پاس گھوڑے بھی تھے۔ گائے، بیل، بھیڑ، بکریوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ عطیہ جب بھی گاؤں پہنچتی تو وہ ان جانوروں کی دیکھ بھال کرتی۔ انھیں وقت پر چارہ ڈالتی۔ گھوڑے سے تو اسے بہت زیادہ محبّت تھی۔ اُسے گھوڑے کی سواری کرنے میں بڑا مزہ آتا۔ وہ اپنے گھوڑے سے جتنی محبّت کرتی تھی اس کے گھوڑے بھی اُسے بہت چاہتے۔ وہ جب چاہتی ان پر سواری کر لیتی۔

عطیہ کے کھیتوں کے قریب ہی جان صاحب کے کھیت تھے۔ یہ کھیت جان صاحب نے کچھ ہی دِنوں پہلے کسی دوسرے زمین دار سے خریدے تھے۔ جان صاحب خود بھی اس علاقے میں نئے نئے آئے تھے۔ سنتے ہیں کہ جان صاحب بچپن میں ہی اپنے والد کے ساتھ برطانیہ چلے گئے تھے۔ باقی عمر انھوں نے وہیں گزاری۔ وہاں وہ جس علاقے میں رہتے تھے وہاں ایک بار کالوں اور گوروں میں لڑائی ہو گئی تو جان صاحب کو اپنی جان کی فکر ہوئی اور

وہ واپس پاکستان آگئے۔ یہاں آکر انھوں نے پہلے تو کوئی بڑی نوکری حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن جب عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے انھیں افسری نہیں مل سکی تو انھوں نے زمینیں خرید لیں، لیکن یہاں بھی وہ سب سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ یہاں کے لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا انھیں پسند نہیں تھا۔ ہر وقت عجیب سا لباس پہنے رہتے۔ یعنی بُرجس اور کہنیوں پر چمڑا لگی ہوئی آستینوں کا چوخانے والا کوٹ، بُرجس ایک ایسا پتلون ہوتا ہے جو اُوپر سے خاصا چوڑا اور پھولا ہوا ہوتا ہے، لیکن پنڈلیوں کے پاس اتنا تنگ ہو جاتا ہے جیسے ہمارے یہاں چوڑی دار پاجامے ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر گھٹنوں تک کے جوتے پہنتے۔ سر پر شکاری ٹوپی، ہاتھ میں ایک چھڑی ہوتی۔ جس سے گھوڑا دوڑانے کا کام لیا جاتا ہے۔ سردیوں کا موسم ہوتا تو کوٹ کے نیچے پوری آستین کا سوئیٹر پہنتے۔ ان کی مونچھیں بھی عجیب سی تھیں یعنی صرف ناک کے نتھنوں تک۔ بالکل ایسی تھیں جیسی مونچھیں جرمنی کا ہٹلر رکھا کرتا تھا۔ بولتے تو ان کی کوشش ہوتی کہ انگریزی ہی بولیں۔ سندھی زبان تو انھیں آتی ہی نہیں تھی۔ کبھی اردو بولنا پڑتا تو اس طرح بولتے جیسے کوئی انگریز بول رہا ہو۔

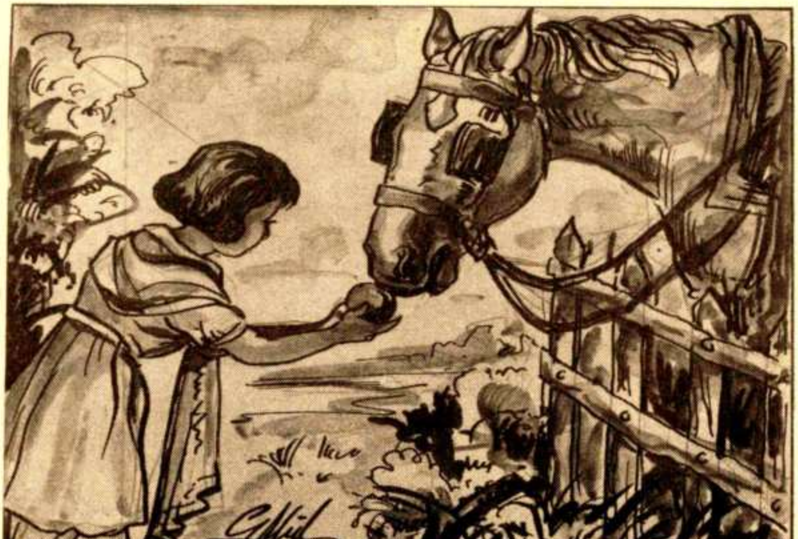

جان صاحب نے سواری کے لیے ایک گھوڑا بھی خرید لیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ انگریز لارڈ یعنی نواب اور جاگیردار قسم کے لوگ روزانہ صبح گھوڑے کی سواری ضرور کرتے ہیں جان صاحب کی ان عجیب باتوں اور عجیب عادتوں کی وجہ سے گاؤں کے لوگ بھی ان سے دُور ہی دُور رہتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ عطیہ اپنے کھیتوں میں گھوم رہی تھی۔ اس کے جانور اِدھر اُدھر چَر رہے تھے۔ وہ اپنے جانوروں کے پاس جاتی اور ان کے بدن پر ہاتھ پھیر کر انھیں پیار کرتی جانور بھی اُسے بڑے پیار سے دیکھتے۔ چلتے چلتے وہ اپنی زمینوں کی آخری حد کے قریب پہنچ گئی۔ یہاں سے جان صاحب کی زمینیں شروع ہوتی تھیں۔ دونوں کی زمینوں کے درمیان حد بنانے کے لیے لکڑی کا ایک جنگلہ لگا ہوا تھا۔ عطیہ نے دیکھا ایک خوب صورت سا گھوڑا لکڑی کی باڑھ کے پار کھڑا اُسے دیکھ رہا ہے۔ عطیہ اس گھوڑے کی طرف بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا امرود تھا۔ جو اس نے اپنے باغ سے کھانے کے لیے توڑا تھا، لیکن ابھی تک کھایا نہیں تھا۔ گھوڑے کے قریب پہنچ کر عطیہ نے بڑے پیار سے گھوڑے کو چمکارتے ہوئے کہا،

"پیارے ٹٹو، کیسے ہو؟ لو امرود کھا لو۔"

اس نے اپنا امرود والا ہاتھ گھوڑے کی طرف بڑھا دیا۔ گھوڑا بھی شاید عطیہ کا پیار بھرا جملہ سمجھ گیا تھا۔ اُس نے باڑھ سے اپنی گردن نکال کر عطیہ کے ہاتھ پر رکھا ہوا امرود اپنے منھ میں دبا لیا اور مزے سے کھا گیا۔ عطیہ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو تھپتھپایا۔ اس کے بعد تو جیسے گھوڑے اور عطیہ میں دوستی ہو گئی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ عطیہ اس باڑھ کے قریب جاتی اور گھوڑا اسے کھڑا ہوا ملتا۔ عطیہ اسے کوئی نہ کوئی چیز کھلا دیتی۔

ایک دن عطیہ اس جگہ پہنچی تو گھوڑے کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا بھی کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح عطیہ نے گھوڑے کو ایک پھل کھلایا۔ اتنی دیر میں وہ نوجوان بھی قریب آگیا۔ عطیہ سے اس آدمی نے پوچھا،

"بے بی، تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام عطیہ ہے، اور تمھارا نام؟ تم کون ہو؟" عطیہ نے اپنا نام بتاتے ہوئے اس سے پوچھ لیا۔

"میرا نام فتح محمد ہے۔ میں جان صاحب کا ملازم ہوں۔ اس گھوڑے کی رکھوالی کرتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ گھوڑا بڑا پیارا ہے۔ کیا نام ہے؟" عطیہ نے پوچھا۔

سنتے ہیں کہ پہلے تو اس کا نام شیرا تھا، لیکن جب سے جان صاحب نے اسے خریدا ہے انھوں نے اس کا نام اسٹار رکھ دیا ہے۔ جان صاحب نے گھوڑا خرید تو لیا، لیکن اب یہ انھیں بالکل پسند نہیں۔ وہ جب بھی اس پر سواری کرتے ہیں۔ یہ انھیں گرا دیتا ہے۔" فتح محمد نے بتایا۔

"بھئی کمال ہے۔" عطیہ نے حیرت ظاہر کی، "شاید گھوڑا اپنا نام بدلنے سے ناراض ہو گیا ہو۔" عطیہ نے خیال ظاہر کیا۔

اس واقعہ کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ ایک دن صبح صبح عطیہ اُس طرف جا نکلی۔ اُس روز اس کے ابّو بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس روز اُس نے دیکھا کہ گھوڑا تیزی سے دوڑتا ہوا اسی کی طرف آرہا ہے۔ اس روز گھوڑے پر زین بھی کسی ہوئی تھی، لیکن سوار کوئی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد کوٹ پتلون پہنے ہوئے ایک آدمی دوڑ کر اس طرف آتا نظر آیا۔ عطیہ کے ابّو پہچان گئے کہ یہ جان صاحب ہی ہیں۔ وہ قریب پہنچے تو عطیہ اور اس کے ابّو نے دیکھا کہ جان صاحب کے کپڑے مٹّی میں اَٹے ہوئے ہیں۔ وہ اور قریب آئے تو عطیہ کے ابّو نے انھیں سلام کیا۔

"گڈ مارننگ۔" جان صاحب نے سلام کا جواب انگریزی میں دیا، لیکن ان کا لہجہ ایسا تھا جیسے انھیں اس وقت سلام کرنا پسند نہیں آیا۔ اتنی دیر میں عطیہ نے ہمیشہ کی طرح ایک پھل گھوڑے کی طرف بڑھایا جسے گھوڑے نے کھا لیا۔ اتنے میں جان صاحب بولے:

"ویل بے بی! ٹمارے ہاٹ سے اس فُول پونی نے فروٹ لے لیا۔ مگر ام کو یہ رائیڈنگ نائیں کرنے ڈیتا۔"

(بے بی، تمھارے ہاتھ سے اس بے وقوف ٹٹو نے پھل تو کھا لیا مگر یہ مجھے سواری نہیں کرنے دیتا۔)

"لیکن انکل یہ گھوڑا تو بہت اچھا ہے۔ میں ابھی اس پر سواری کر سکتی ہوں۔" عطیہ نے کہا۔

"نو، نو! ام نائیں مانتا۔" (نہیں، نہیں، میں نہیں مانتا) جان صاحب نے کہا۔

عطیہ باتیں کرتی ہوئی گھوڑے کے قریب پہنچ گئی۔ وہ گھوڑے پر چڑھنا چاہتی تھی، لیکن

اس کا قد چھوٹا تھا۔ جان صاحب غالباً عطیہ کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ اور خود بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ عطیہ اس پر کیسے سواری کرتی ہے۔ چناں چہ انھوں نے سہارا دے کر عطیہ کو گھوڑے پر بٹھا دیا۔ عطیہ نے گھوڑے کی گردن تھپتھپائی اور کہا:

"چلو شیرا، مجھے گھما کر لاؤ۔"

گھوڑے نے جیسے عطیہ کی بات سمجھ لی۔ وہ اسے لے کر چل دیا اور میدان کا ایک چکّر لگا کر واپس آگیا۔ عطیہ گھوڑے سے اُتر آئی۔ جان صاحب یہ تماشا دیکھ کر حیرت زدہ تھے، لیکن انھوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔

ایک ہفتے بعد عطیہ اُسی باڑھ کے پاس کھڑی ہوئی تھی کہ اُس نے دیکھا دُور میدان میں شیرا اُچھل رہا ہے۔ کوئی شخص اُس کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک وہ آدمی گر پڑا اور گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا ایک طرف نکل گیا۔ عطیہ سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو یہ جان صاحب ہیں جنھیں گھوڑے نے گرا دیا ہے۔ وہ اپنے کھیت سے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر دوڑتی ہوئی اس جگہ پہنچی جہاں اس نے جان صاحب کو گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جان صاحب واقعی ایک گڑھے میں گرے ہوئے تھے۔ ان کے اچھی خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ عطیہ اپنے آدمیوں کی مدد سے انھیں اپنے گھر لے آئی۔ اس وقت جان صاحب بے ہوش تھے۔ عطیہ کے ابّو نے ایک ملازم کو بھیج کر گاؤں کے ڈاکٹر کو بُلایا۔ ڈاکٹر نے ان کی چوٹوں پر دوا لگائی۔ تھوڑی دیر میں جان صاحب کو ہوش آگیا۔ ہوش آنے پر انھوں نے بتایا کہ آج پھر انھیں گھوڑے نے گرا دیا۔ انھیں اس بات پر بھی حیرت تھی کہ ان کا گھوڑا ان کے ملازم کی بات تو سُن لیتا ہے اور عطیہ کا کہنا بھی مان لیتا ہے، لیکن ان کی بات نہیں سنتا۔ ان کی باتیں سُن کر عطیہ کے ابّو نے انھیں بتایا کہ گھوڑے کا نام پہلے شیرا تھا۔ وہ اسی نام سے مانوس ہے۔ اب جان صاحب نے اس کا نام اسٹار رکھ دیا ہے اور وہ اسے اسٹار ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس نام کو گھوڑا اپنا نام نہیں سمجھتا۔ پھر یہ کہ گھوڑا تو پاکستانی ہے۔ وہ یہیں کے لوگوں کے ہاتھوں پلا ہے اس لیے پاکستان ہی کی زبانیں سمجھتا ہے۔ جان صاحب اُس سے انگریزی بولتے ہیں تو وہ گھوڑے کی سمجھ میں نہیں آتی۔ عطیہ کے ابّو نے جان صاحب کو بتایا کہ ہر ملک میں رہنے والے اپنے ہی وطن کی زبان سمجھتے ہیں چاہے وہ جانور ہی ہوں۔ وہ پاکستان آگئے ہیں تو انھیں پاکستان کی زبانیں بولنی

چاہییں۔

"ٹیک ہے! ٹیک ہے! اب ام پاکستان کا لینگویجز سیکھے گا۔ اِدر ہی کا کپڑا پہنے گا، لیکن یہ پونی ام نا ہیں رکھے گا۔ عطیہ بے بی نے امارا جان بچایا۔ ام یہ پونی بے بی کو ٹوفا دے دیا۔"

(ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب میں پاکستان کی زبانیں سیکھوں گا۔ پاکستانی کپڑے پہنوں گا، لیکن یہ گھوڑا اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔ عطیہ بے بی نے میری جان بچائی ہے، اس لیے یہ گھوڑا میں نے عطیہ کو تحفے کے طور پر دے دیا ہے۔)

تھوڑی دیر بعد جب جان صاحب کی طبیعت ذرا سنبھلی تو وہ اُٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔
کہتے ہیں کہ اُس کے بعد کسی نے انھیں انگریزی لباس میں نہیں دیکھا۔ نہ گاؤں والوں نے انھیں انگریزوں کی طرح اردو بولتے سُنا۔

جاگو جگاؤ

دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا

حکیم محمد سعید اپنے مقبول کالم جاگو جگاؤ میں بڑے کام کی باتیں لکھتے ہیں اور بچّے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ دس سال کے کالموں سے انتخاب کر کے مسعود احمد برکاتی نے جو کتاب مرتّب کی تھی، اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔

اس خوب صورت کتاب کی قیمت صرف ۵ رُپے ہے۔

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی ۱۸

کھلاڑی کوّا

فیض لودھیانوی

چھا گیا بادل، آ گئی برکھا　　جشن مناتی ہے سب دنیا
دیکھو ایک عجیب تماشا　　نیم کی پتلی ڈال پہ بیٹھا
کوّا جھولا جھول رہا ہے

بھانپ رہا ہے دائیں بائیں　　نیچے ہیں کچھ بھینسیں گائیں
سُن کر اس کی کائیں کائیں　　کہتی ہیں ہم صدقے جائیں
کوّا جھولا جھول رہا ہے

ڈر ہے کوئی چوٹ نہ کھائے　　نازک ٹہنی ٹوٹ نہ جائے
پھر اُس کی امّاں پچھتائے　　دوڑی آئے شور مچائے
کوّا جھولا جھول رہا ہے

اُڑ جائے گا اینٹ نہ مارو　　جلد اس کی تصویر اُتارو
کیسے غافل ہو تم یارو　　مور کو اس کی دُم پر وارو
کوّا جھولا جھول رہا ہے

کھیل دکھاتا ہے یہ کیا کیا　　مات ہوا سرکس کا گھوڑا
بچپن ہی میں شوخ ہے کتنا　　بے فکری کا فیض ہے سارا
کوّا جھولا جھول رہا ہے
جُھول کے جُھولا، پُھول رہا ہے

رفحان
کوئیک سیٹ جیلی کرسٹلز
منٹوں میں بن جائے
جیسے جادو ہو جائے
جیلاٹن کے بغیر
جیلی کریم بنائیں، فروٹ جیلی جمائیں یا ایسے ہی کھائیں،
ہر مرتبہ ذائقہ دوبالا پائیں۔
فرج کے بغیر منٹوں میں جم جانے والی مزیدار جیلی،
رفحان کوئیک سیٹ جیلی کرسٹلز۔
۴ ذائقوں میں دستیاب ۔ بنانا، اورنج،
اسٹرابیری اور رس بھری۔
اپنا جادو دکھائیں،
رفحان کوئیک سیٹ جیلی کرسٹلز لائیں۔
جلد تیار، ذائقہ دار
رفحان
کی معیاری مصنوعات
Rafhan®
Jelly Crystals
Quick -set

MNJ

تحفے

مُسکراتے جُملے ـــ عظیم اقوال ـــ انوکھے نکتے ـــ دل چسپ تحریریں

ایک لطیفہ ایک قول

مرسلہ: محمد احسان، کراچی

سچّا دوست وہ ہے جو آپ کی تمام تر خامیوں کے باوجود آپ سے محبت کرتا ہے۔ جہاں آپ میں ہزاروں خامیاں ہیں وہاں ایک آدھ خوبی تو ہو گی۔ بس دوستی میں ایک آدھ خوبی آپ کی تمام خامیوں پر حاوی ہو جاتی ہے۔

استاد کی تعظیم

مرسلہ: رخسانہ احمد انصاری، کراچی

سکندرِ اعظم سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے استاد کی تکریم اپنے والد سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ سکندرِ اعظم نے جواب دیا، "باپ نے مجھے جسمانی زندگی دی اور استاد نے روحانی۔ وہ فانی ہے اور یہ غیر فانی۔"

ترقی

مرسلہ: انوار الحسن، کراچی

کٹہرے میں کھڑے چور سے جج نے کہا، "جب میں وکیل تھا تو تم نے ایک مرغی چُرائی تھی، پھر جب میں سرکاری وکیل بنا تو تم ایک بکری چُرانے کے جُرم میں لائے گئے اور آج جب کہ میں جج ہوں تو تم نے بھینس چُرائی ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟"

"حضور! آپ کے ساتھ ساتھ میں نے بھی ترقی کی ہے۔" چور نے اطمینان سے جواب دیا۔

روشن شمع

مرسلہ: عظمیٰ رؤف، کراچی

زندگی کا مقصد سامنے رکھ کر آگے بڑھنا چاہیے، کیوں کہ مقصد کے بغیر زندگی ایک ایسے تاریک غار کی مانند ہے، جس میں ٹھوکر لگ کر گر جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور اگر اس تاریک غار میں مقصدِ حیات کی شمع روشن کر لی جائے تو آگے کا سفر آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔

نمک پارے

مرسلہ: نگہت شکور ندا، کراچی

- کام یابی کے لیے صلاحیت کی ضرورت نہیں، تکنیک کی ضرورت ہے۔
- کسی کو احمق بنانے کی بہترین تدبیر اس کو عقل مند کہو۔
- وہ راز جس کا چُھپانا سب سے مشکل ہے تمھاری

رائے تمہارے متعلق۔

جسے خدا رکھے.....

مرسلہ: سید ارشاد حسیب، کراچی

شکاگو کا رہنے والا جیمس کرک عظیم الشان جہاز "ٹیٹانک" پر سوار تھا جو اپنے پہلے سفر ہی میں ایک برفانی تودے سے ٹکرا کر غرق ہو گیا۔ کرک نے حفاظتی پیٹی لگا رکھی تھی اس لیے وہ بچ گیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران وہ جہاز "لوسی ٹینیا" پر سفر کر رہا تھا۔ کہ جرمنوں نے اسے تارپیڈو سے غرق کر دیا۔ مگر کرک صاف بچ نکلا۔ جنگِ عظیم کے بعد وہ امریکا میں ایک ڈاک گاڑی پر سفر کر رہا تھا کہ اس کا ایک ریل سے تصادم ہو گیا۔ کرک حیرت انگریز طور پر ریلوں کے ملبے کے نیچے سے صحیح سلامت نکل آیا۔ ۱۹۳۳ء میں وہ ایک سہ منزلہ مکان کی کھڑکی سے نیچے گر پڑا۔ اُسے چوٹیں آئیں۔ اُس کی عمر ۶۰ سال تھی مگر چوٹیں جلد ہی اچھی ہو گئیں۔ ۱۹۳۴ء میں وہ ایک چھوٹا سا چشمہ، جو صرف دو فیٹ گہرا تھا، پار کرنے لگا مگر بیچ ہی میں اُس پر دل کا دورہ پڑا اور وہ پانی میں گر کر فوت ہو گیا۔

ہائے جوانی

مرسلہ: شیخ عبدالحفیظ، گوجرانوالہ

زیادہ عمر ہو جائے تو والدین قسم کے بزرگوں کی یادداشت کم ہو جاتی ہے، لیکن یہ لوگ کتنے بھی ضعیف کیوں نہ ہو جائیں اور ان کی یادداشت پر کتنے ہی پتھر کیوں نہ پڑ جائیں یہ اپنی جوانی کو نہیں بھول پاتے۔ ہر بات اسی جملے سے شروع کریں گے۔ "جب میں جوان تھا تو......" یا "ارے! میں اپنی جوانی کے بارے میں......"

معصوم تمنا

مرسلہ: شکیل جمیل، کراچی

بعض اوقات انسان کو بے پناہ دکھ اُن کی طرف سے ملتے ہیں، جن کی خاطر انسان دوسروں کو ٹھکراتا ہے اور جب انسان ان کے ہاتھوں خود ٹھکرایا جاتا ہے تو بہ ظاہر ہنستا ہے، لیکن اندر سے خون کے آنسو روتا ہے اور ٹھکرانے والے کو احساس تک نہیں ہوتا کہ اس نے کسی کی معصوم تمناؤں کا خون کر دیا ہے۔

آدھ انچ

مرسلہ: سلیم مٹھو قریشی، بہاول پور

گزشتہ دنوں امریکا میں ایک عجیب و غریب مقابلہ ہوا اور وہ یہ کہ ایک مقامی رسالے کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جس شخص کے سامنے کے دانتوں کے درمیان سب سے زیادہ خلا ہو گا اُسے ۲۰۰ ڈالر انعام دیا جائے گا۔ یہ مقابلہ ایک ۵۲ سالہ ٹرک ڈرائیور نے جیتا، جس کے دانتوں میں نصف انچ کا ناقابلِ یقین قدرتی فاصلہ موجود ہے۔ اس کا نام ڈارون اڈکنز ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے دانتوں میں یہ فاصلہ تو بچپن سے موجود ہے، لیکن مجھے کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ میں اس کی وجہ سے اتنی رقم انعام کے طور پر جیت لوں گا۔ اس کے پانچ بچے اور

پوتے پوتیاں ہیں۔ چھوٹی پوتی اس کے دانتوں کے اس خلا میں انگلیاں ڈال کر کھیلتی رہتی ہے۔

جہنّم

مرسلہ: انجم پروین، کراچی

جہنم، عقوبت و عذاب کا قید خانہ، جہاں بُرے اعمال کے افراد دہکتی آگ میں جلتے، رینگتے اور تڑپتے رہیں گے۔ ہاں اس دنیا میں بھی ایک جہنم ہے تم دیکھنا چاہو تو پیار اور محبت سے خالی اُس دل میں جہنم کی تپش محسوس کر سکتے ہو، جو دولت و کدورت سے معمور اور خلوص سے عاری ہو۔

زندگی

مرسلہ: محمد غلام حسین میمن، حیدرآباد

- زندگی حقیقت ہے اُسے تسلیم کرو۔
- زندگی حُسن ہے اس سے پیار کرو۔
- زندگی محبت ہے اُسے سینے سے لگاؤ۔
- زندگی چیلنج ہے اس کا مقابلہ کرو۔
- زندگی دکھ ہے اس پر قابو پاؤ۔
- زندگی جدوجہد ہے اسے قبول کرو۔
- زندگی مُہم ہے اُسے سَر کرو۔
- زندگی فرض ہے اُسے ادا کرو۔
- زندگی کھیل ہے اُسے جیتو۔
- زندگی سفر ہے اسے مکمل کرو۔
- زندگی خوشی ہے اسے محسوس کرو۔

زندگی کا مقصد

مرسلہ: شکیل جمیل، کراچی

زندگی میں جینے کا کوئی مقصد ہونا چاہیے بفضول زندگی ایک ایسی کہانی ہے، جو بلا عنوان ہے۔ اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جنھوں نے اپنی زندگی کو فضول سمجھ لیا ہے اور اپنے اس قیمتی وقت کو برباد کر رہے ہیں۔ اگر تم اپنی زندگی کو حسین و جمیل بنانا چاہتے ہو تو اپنی زندگی کا کوئی بھی ٹھوس مقصد بنا لو اور جدوجہد، محنت اور لگن سے اپنے مقصد کو پورا کرو، کیوں کہ زندگی نام ہے جدوجہد کا۔ جس طرح سیمنٹ، پتھر اور بجری سے کوئی مضبوط عمارت بنتی ہے اسی طرح ہمیں اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ محنت، لگن اور جذبہ ہے۔

کوئی بات نہیں

مرسلہ: سید ساجد مہدی، خیرپور

کراچی کے ایک انتہائی مہنگے پرائیوٹ کلینک میں شام کے مصروف اوقات میں ایک ٹیلے فون آیا۔ دوسرے سرے پر ایک خاتون تھیں جو گھبرائی ہوئی آواز میں اپنے شوہر کو دکھانے کے لیے دل کے خصوصی ماہر (ہارٹ اسپیشلسٹ) سے مریض کو دکھانے کا وقت مانگ رہی تھیں۔ معالجِ خصوصی کی سکریٹری نے ڈائری دیکھ کر بتایا کہ آپ کو تین ہفتے بعد پیر کے دن شام چھے بجے کا وقت دیا جا سکتا ہے۔

"یہ دل کے مریض کا معاملہ ہے۔ اس سے پہلے

ممکن نہیں ہو سکتا؟"

"جی نہیں، اس سے پہلے ڈاکٹر صاحب کے پاس وقت نہیں ہے۔" سکریٹری نے جواب دیا۔

"لیکن مریض کی حالت تشویش ناک ہے۔ اس وقت تک خدانخواستہ انھیں کچھ ہو گیا تو؟" خاتون نے پریشان آواز میں ہانک دی۔

"کوئی بات نہیں، آپ جب چاہیں اپائمنٹ کینسل کرا سکتی ہیں۔" سکریٹری نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

عمدہ فیصلہ

مرسلہ: فاروق صالح، کراچی

ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے ایک مکان خریدا۔ خریدار نے مکان خریدنے کے بعد وہاں ایک خزانہ پایا۔ وہ فوراً مالک مکان کے پاس پہنچا اور کہا، "وہ خزانہ آپ کا ہے لے لیجیے۔" مالک مکان نے کہا، "میں وہ مکان تمھارے ہاتھ بیچ چکا ہوں، مجھے خبر بھی نہ تھی کہ وہاں خزانہ ہے، اب اگر نکلا ہے تو وہ میرا نہیں تمھارا ہے۔" دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ آخر وہ لڑتے لڑتے نوشیروان عادل کے پاس پہنچے۔ اس نے سب کچھ سننے کے بعد کہا، "کیا تم دونوں کے اولاد ہے؟"

ایک نے کہا، "ہاں، ایک لڑکا ہے۔" دوسرے نے کہا، "میری ایک لڑکی ہے۔"

نوشیروان عادل نے لڑکے اور لڑکی کی شادی کرا دی۔ اس طرح دونوں کا جھگڑا ختم ہو گیا۔

دستانے

مرسلہ: مسعود میر خان، خیر پور میرس

وسلر ایک نامور آرٹسٹ گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ انھوں نے مارک ٹوئن کو اپنے اسٹوڈیو میں اپنی صناعی کا نمونہ دکھانے کے لیے مدعو کیا۔ مارک ٹوئن بہت بڑے ظریف انسان تھے۔ تھوڑی دیر تک تو وہ تصویر کو غور سے دیکھتے رہے، اور پھر کہا،

"اگر تمھاری جگہ میں ہوتا تو ان بادلوں کی تصویر میں بالکل نہ دکھاتا۔" اور یہ کہہ کر اپنا ہاتھ تصویر کی جانب اس طرح بڑھایا، گویا وہاں بادلوں کو مٹانے والے ہیں۔

"ارے رے رے۔" وسلر گھبراہٹ میں چلا اٹھے، "آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ پینٹ ابھی گیلی ہے۔"

"ارے واہ! تو پھر کیا ہوا، میں نے دستانے جو پہن رکھے ہیں۔" مارک ٹوئن نے کہا۔

تعاون

مرسلہ: محمد اسحاق انجم بلوچ، ڈگری

بھینس دودھ دیتی ہے، لیکن وہ کافی نہیں ہوتا۔ باقی دودھ گوالا دیتا ہے اور دونوں کے تعاون سے ہم شہریوں کا کام چلتا ہے، تعاون اچھی چیز ہے، لیکن دودھ کو چھان لینا چاہیے تاکہ مینڈک نکل جائیں۔

—— ابن انشا

پیروں میں بدبُو

میری عمر ۱۳ سال ہے۔ میرے پیروں میں ہر وقت بدبو رہتی ہے۔ کوئی علاج یا نسخہ بتائیں۔
اعجاز احمد لاشاری، جھٹ پٹ بلوچستان

آپ کے پیروں میں سے پسینا آتا ہوگا۔ یہ پسینا سڑ جاتا ہے تو بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ پیروں کی صفائی کا خیال رکھنا چاہیے اور رات سوتے وقت بیگن کا پانی نکال کر اُسے پیروں پر ملنا چاہیے۔ شاید اس سے پیروں میں پسینا آنا کم ہو جائے یا بند ہو جائے۔

دردِ سر

میرے سر میں درد رہتا ہے۔ خصوصاً پڑھتے وقت درد زیادہ ہو جاتا ہے۔ کیا علاج کروں؟
عاشق حسین شہزاد، کمالیہ

ممکن ہے آپ پڑھتے وقت روشنی کا صحیح انتظام نہ کرتے ہوں۔ اگر روشنی ناکافی ہے یا روشنی دائیں جانب سے آرہی ہے تو ایسی روشنیوں میں مطالعہ دردِ سر پیدا کر سکتا ہے۔ مطالعہ کے وقت روشنی میں بائیں جانب سے آنا مناسب ہوتا ہے۔

آپ کو کسی ماہرِ چشم سے اپنی آنکھوں کا امتحان کرالینا چاہیے۔ ممکن ہے کہ آپ کو عینک کی ضرورت ہو۔

ایک اور بات۔ کیا پڑھتے وقت آپ پر کوئی خوف مثلاً ماسٹر صاحب کی ناراضی یا امتحان میں ناکامی کا ڈر تو طاری نہیں ہو جاتا۔ سوچیے اگر ایسا ہے تو یہ بھی دردِ سر کی وجہ ہو سکتی ہے۔ ڈر

اور پریشانی دل سے نکال دیجیے، درد سر بھی جاتا رہے گا۔

میٹھی چیز اور چائے

س: کوئی میٹھی چیز مثلاً چینی، شہد یا مٹھائی کھانے کے فوراً بعد چائے پھیکی کیوں محسوس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟
محمد عارف، کراچی

ج: اگر آپ نے کوئی مٹھائی کھائی ہے تو اُس میں شکر زیادہ ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں چائے میں شکر کم ہوتی ہے۔ اس لیے وہ پھیکی معلوم ہوتی ہے۔ یہ تو بڑی واضح بات ہے۔ آپ نے ایسا سوال کیوں کیا۔ بھئی یہ پوچھتے کہ چائے پھیکی کیوں لگتی ہے تو میں یہ جواب دیتا کہ اس لیے پھیکی لگتی ہے کہ یہ ہمارے ملک کی چیز نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے جسم کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کو چائے اس لیے نہیں پینی چاہیے کہ یہ غیر ملک کی ہے اور ہم اپنا بہت اہم اور قیمتی زرِ مبادلہ دے کر اسے منگواتے ہیں۔ ہماری قومی غیرت اور حمیّت کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز ہم خود پیدا نہیں کرتے وہ ہم استعمال نہ کریں۔

سر میں خشکی

س: میری باجی کے سر میں بہت زیادہ خشکی ہے۔ علاج سے خشکی میں ذرا بھی فرق نہیں آتا۔ باجی سخت پریشان ہیں۔ براہِ کرم کوئی علاج بتائیے اور یہ بھی بتائیں کہ یہ کس وجہ سے پیدا ہوتی ہے؟
شیخ زبیدہ صدیق زیبی، میاں چنوں

ج: اگر آپ زیادہ ٹھنڈے موسم میں اپنے جسم کے کسی حصّے میں ناخن سے کھجائیں تو خشکی کی وجہ سے سفید لکیر سی پڑ جاتی ہے اور بعض اوقات یہ خشکی جھڑ بھی جاتی ہے۔ اسی طرح سر میں اگر خشکی ہو جائے کہ جو جلد میں خرابی کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے تو یہ خشکی جلد سے اُکھڑ کر گرنے بھی لگتی ہے۔ بعض اوقات یہ خشکی جلد کے مرض کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور سر سے کھر سے اترنے لگتے ہیں۔ اس کا علاج صفائی ہے۔ اکثر و بیشتر صفائی سے غفلت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تیل بھی بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

دوائے خارش سفید پانچ گرام، روغن کمیلا ساٹھ گرام۔ دونوں کو ملا کر رکھ لیں اور

رات کو سر میں لگائیں۔ صبح صاف کر دیں۔ اس طرح سات آٹھ دن میں خشکی دُور ہو جاتی ہے۔

چھینکیں

مجھے بہت چھینک آتی ہے۔ سردی ہو یا گرمی۔ ڈاکٹر کو بھی دکھایا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آپ کوئی علاج بتائیں۔ بینا زیدی، کراچی

چھینکیں عام طور پر ان لوگوں کو آتی ہیں جو اپنی ناک کو صاف کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ مسلمان جو نماز پڑھتے ہیں اور پانچ وقت وضو کرتے ہیں اُن کی ناک ہمیشہ صاف رہتی ہیں۔ اگر صاف نہ ہو تو ناک کی اندرونی باریک اور نازک جھلی میں ورم آجاتا ہے۔ وہ زیادہ حساس ہو جاتی ہے۔ اس پر ذرا سی ہوا کا دباؤ بھی خراش ڈال دیتا ہے اور ردعمل چھینک کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ بعض لوگوں کی نازک ناک اُن سے زیادہ اثر قبول کر لیتی ہے اور چھینک آجاتی ہے۔ اسے نئی زبان میں ایلرجی کہتے ہیں۔

ہکلا پن

میں جب بھی بات کرتا ہوں تو ہکلاتا ہوں یعنی لکنت پیدا ہوتی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ براہ کرم کوئی علاج بتائیے، لکنت کیوں ہوتی ہے اور اسے کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟

ایم ادریس، ٹنڈو جام

ادریس میاں! لکنت کا علاج خود آپ کو کرنا ہے۔ اس کے لیے کوئی دوا نہیں ہے۔ آپ اپنے ذہن کو خود تربیت دیجیے اور اپنی زبان کو پھر بولنے کی مشق کرائیے۔ آپ کے ذہن میں ذرا بھی جھجک یا کوئی کم تری کا احساس ہے تو اُسے دُور کر دیجیے۔ آپ اپنے علم میں اضافہ کرنے کی خوب کوشش کریں۔ جب آپ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ آپ کا علم زیادہ اور صحیح ہے تو آپ میں کم تری کا احساس ختم ہو جائے گا۔ جیسے ہی یہ ختم ہو گا آپ کا ذہن اور زبان دونوں صحیح کام کریں گے اور رفتہ رفتہ زبان کی رُکاوٹ دُور ہو جائے گی اور آپ روانی سے بولنے لگیں گے۔ ان شاء اللہ آپ لکنت کی پروا کیے بغیر دوستوں سے ملیں جُلیں اور خوب باتیں کرنے کی کوشش کریں۔

چہرے پر نشانات

میرے چہرے پر کالے رنگ کے نشان ہیں اور میری صحت بھی کم زور ہے۔ ازراہِ کرم کوئی

علاج بتائیے، میری عمر ۱۲ سال ہے۔ مبشر احمد، حیدرآباد

کالے نشانوں کا سمجھنا بغیر دیکھے مشکل ہے۔ معلوم نہیں کیا تبدیلی جلد میں آرہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صحت کی خرابی اور خون کی کمی کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہو۔ اگر ان سے پانی یا رطوبت وغیرہ نہیں رس رہی ہے تو ان پر دہی کی بالائی لگانے سے شاید یہ ٹھیک ہو جائیں۔ مالٹے یا سنگترے کے چھلکے پیس کر لگانے سے بھی ایسے نشان اچھے ہو جاتے ہیں۔ اپنی صحت کا خیال ضرور رکھیے۔ گوشت زیادہ نہ کھائیے۔ سبزیاں ترکاریاں زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔

ہچکیاں

مہربانی کر کے یہ بتائیے کہ ہچکی کیوں آتی ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟

پرکاش کمار، شہداد کوٹ

ہچکی آنے کا سبب کوئی بھی پوری طرح نہیں جانتا۔ آپ کو ہچکی اس لیے آتی ہے کہ آپ کے بعض اعصاب زیادہ بھڑک اٹھتے ہیں۔ یہ اعصاب پردۂ شکم تک پہنچتے ہیں۔ پردۂ شکم وہ عضلہ ہے جو آپ کے پھیپھڑوں کی سانس اندر لینے اور باہر نکالنے کے کام میں مدد کرتا ہے۔ یہ اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ ان اعصاب کے اس طرح ہیجان میں آنے کا سبب کیا ہے۔

ہچکیوں کو روکنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کاغذ کی ایک تھیلی منھ کے آگے لگا کر اس میں سانس لیں۔ اس طرح وہی ہوا آپ کے جسم میں دوبارہ جائے گی، جو سانس کے ساتھ اندر سے آئی تھی اور کاربن ڈائی اوکسائڈ واپس جسم میں جائے گی اور جسم میں اس کی مقدار بڑھ جائے گی۔ کہتے ہیں کہ کاربن ڈائی اوکسائڈ بھڑکے ہوئے اعصاب کو سکون بخشتی ہے اور ہچکیاں رُک جاتی ہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہچکیوں کا ایک علاج یہ ہے کہ سر کے بل کھڑے ہو جائیں یا پھر کوئی شخص یکایک زور سے "ہو" کی آواز نکال کر آپ کو ڈرا دے۔ اگر آپ ہچکیوں کو روکنے کے لیے کچھ بھی نہ کریں تب بھی اکثر وہ خود بہ خود رک جاتی ہیں۔ خوب پانی پی کر اور سانس خوب اندر لے کر روکنے سے بھی اکثر ہچکیاں رُک جاتی ہیں۔

○○○

بچّوں کا سب سے بڑا رسالہ ہمدرد نونہال ہر مہینے کئی لاکھ بچّے پڑھتے ہیں۔ اردو کی پوری تاریخ میں بچّوں کا واحد رسالہ جسے بڑوں نے بھی اپنایا۔ ہمدرد نونہال کا

خاص نمبر ۱۹۸۵ء

ستمبر ۱۹۸۵ء میں بڑی شان کے ساتھ شائع ہو رہا ہے

خاص نمبر کی تیاریاں بڑے زور و شور کے ساتھ جاری ہیں۔ یہ نمبر ان شاء اللہ اپنی خوبی اور اپنی مقبولیت میں پچھلے ریکارڈ توڑ دے گا۔ یہ ایک شان دار، مزے دار، معلومات افزا، خاص نمبر ہوگا۔

○ عجیب و غریب کہانیاں ○ حیرت انگیز معلومات ○ بہت سارے لطیفے ○ دل چسپ باتصویر خبریں ○ دینی معلومات ○ انعامی سوالات ○ حکیم محمد سعید کا ایک نیا مضمون ○ خرگوش کا پڑوسی ــ ایک مُنّی سی دل پسند کہانی ○ علی اسد کی ایک طویل کہانی ○ معراج کی ایک آدھی طویل کہانی ○ میرزا ادیب کی تین کہانیاں ○ مسعود احمد برکاتی کا مضمون "چوریکڑو" اور ایک صدی بعد کی عجیب کہانی ○ تحفے ــ زنگا رنگ اور زیادہ ○ مسکراتی تحریریں۔ بڑے لکھنے والوں کی مزاحیہ اور شگفتہ تحریروں کا انتخاب ○ چچا سعدی نے کہا ○ سائنسی معلومات ○ صحت کی باتیں ○ سبق آموز اور ولولہ انگیز سدا بہار قصّے ○ لڑکیوں کی دل چسپی اور کام کی باتیں ○ صرف دس سبق پڑھیے اور عربی سیکھ لیجیے ○ کھیل کی باتیں ○ اور بہت سی تحریریں

کہانی لکھو

بہترین کہانی لکھنے والے کو ایک ہزار رُپے انعام، دوسرا انعام پانچ سو اور تیسرا انعام تین سو رُپے۔ تفصیلات خاص نمبر میں پڑھیے۔

دل چسپ معلومات

معلومات انسان کے ہمیشہ کام آتی ہیں۔ "دل چسپ معلومات" کے نام سے ایک روح افزا کتاب مرتّب کی گئی ہے، جس میں ۲۵۹ مفید اور مستند معلومات جمع کی گئی ہیں۔ یہ معلومات بچّوں کے علم میں اضافہ کریں گی اور کام آئیں گی۔

خاص نمبر کے ساتھ یہ خوب صورت معلوماتی کتاب بلا قیمت دی جائے گی

خاص نمبر ۲۸۸ صفحات کی مستقل محفوظ رکھنے والی ایک عمدہ کتاب کی طرح ہوگا۔ قیمت صرف آٹھ رُپے۔ خاص نمبر کے استقبال کے لیے ابھی سے تیار ہو جائیے۔ اپنی کاپی کا ابھی اخبار والے کو آرڈر دے دیجیے۔

ناظم ہمدرد نونہال، ہمدرد سنٹر، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۸

تمھارا جرم ثابت ہو گیا۔ تم عبرت ناک سزا کے
مستحق ہو جنھیں سزائے موت دی جاتی ہے۔
سرکار! میں زندہ ہی نہیں رہا تو
عبرت کیسے حاصل کروں گا!

میں نوٹ کر رہا ہوں کہ تمھارا خط روز بہ روز خراب
ہوتا جا رہا ہے۔
سر! آبا نے جب سے فیصلہ کیا ہے
کہ مجھے ڈاکٹر بنائیں گے اسی وقت سے
میرا خط خراب ہونا شروع ہو گیا
ہے۔

علم کی روشنی

واقف جے پوری

ساتھیو، دوستو، علم کے طالبو!
خوب محنت کرو، علم حاصل کرو

علم ہی سے ملے ہیں خزانے یہاں
اور حقیقت بنے ہیں فسانے یہاں

یہ دنیا میں جو کچھ ترقی ہوئی
حقیقت میں برکت ہے تعلیم کی

علم دے کر ہی آدمؑ کو بھیجا گیا
علم سے اس جہاں کو سجایا گیا

جیسے جیسے بڑھی علم کی روشنی
ویسے ویسے بنا آدمی، آدمی

علم ہی سے تو انسان، انسان ہے
ورنہ انسان بھی مثل حیوان ہے

جس طرح دیکھیے، جس جگہ دیکھیے
علم و حکمت کے ہیں پھول ہر جا کھلے

علم ہی سے سمندر مُسخّر ہوئے
علم ہی سے پہاڑوں کے اوپر چڑھے

علم کی ہوں بیاں کس قدر خوبیاں
گھٹ گئے فاصلے، مٹ گئیں دوریاں

ہاں بنو تم وطن کے سپاہی بنو
اپنے گھر سے ہمیشہ محبّت رکھو

تم بنو ڈاکٹر یا کہ انجینیر
ہمیشہ چلو اچھے اخلاق پر

میرا پیغام ہے بس یہی دوستو
اپنی تعلیم کو تم مکمل کرو

پیدل چلنا بھی ایک کھیل ہے

ساجد علی ساجد

پیدل چلنا صحّت کے لیے مفید ہے اور ہم اس عادت کو اسی حیثیت سے جانتے ہیں مگر باہر کی دنیا میں یہ ایک کھیل بھی ہے ایک ایسا کھیل جو ۱۵۸۹ء سے کھیلا جا رہا ہے اور ۱۹۰۶ء سے اولمپک کھیلوں میں شامل ہے۔ واکنگ (WALKING) کے نام سے اس کے بھی دنیا بھر میں میلوں لمبے مقابلے ہوتے ہیں۔ اس میں بھی چیمپین بنتے ہیں اور ریکارڈ قائم ہوتے ہیں۔

اسی طرح اُلٹے پاؤں چلنا جہاں ایک محاورہ ہے وہاں ایک کھیل بھی ہے، جسے "ریورس واکنگ" کہتے ہیں۔

پیدل چلنے والے کھلاڑیوں کو اردو میں ہم شاید "پیدلیا" کہیں مگر انگریزی میں یہ واکر (WALKER) کہلاتے ہیں۔ دنیا کے واحد واکر جنھوں نے تین طلائی تمغے جیتے اٹلی کے یوگوفریگیریو (پیدائش ۱۹۰۱ء انتقال ۱۹۶۸ء) تھے، جنھوں نے ۱۹۲۰ء میں تین ہزار میٹر اور دس ہزار میٹر کی پیدل چلنے کے مقابلے میں دو طلائی تمغے جیتے اور پھر ۱۹۲۴ء میں دس ہزار میٹر کے مقابلے میں بھی طلائی تمغہ جیت لیا۔ اس طرح انھیں سب سے زیادہ تمغے جیتنے کا اعزاز حاصل ہے۔

طویل ترین مقابلہ

دنیا میں پیدل چلنے والوں کا سب سے بڑا ریس اسٹرابرگ پیرس ایونیٹ کہلاتا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں یہ شروع ہوا اور ہر سال ہوتا ہے۔ فرانس کے گلبرٹ روجر چھے بار یہ مقابلہ جیت چکے ہیں، جس کا فاصلہ ۳۱۳ سے لے کر ۳۴۴ میل تک لمبا ہوتا ہے۔ اس میں سب سے تیز رفتار اب تک بیلجیم کے روجر پینگوئن کی رہی ہے جنھوں نے ۱۹۸۰ء میں ۳۱۵ میل کا فاصلہ

ساٹھ گھنٹے ایک منٹ دس سیکنڈ میں پیدل چل کر طے کیا اور یہ مقابلہ جیتا تھا۔ اس میں چار گھنٹے کا لازمی آرام کا وقفہ شامل نہیں ہے۔ انھوں نے یہ فاصلہ اوسطاً سوا پانچ میل فی گھنٹے کی رفتار سے طے کیا۔

فرانس کے ٹورنگ کلب نے یکم اپریل ۱۹۱۰ء کو ایک لاکھ کلو میٹر (۶۲ ہزار ۱۳۷ میل) لمبا پیدل چلنے کا مقابلہ کرایا، جس میں دو سو افراد نے حصّہ لیا۔ مگر رومانیہ کے ڈمٹرو ڈان (۱۸۹۰ء تا ۱۹۷۸ء) واحد کھلاڑی تھے، جو منزل تک پہنچ سکے۔ وہ ۲۴۔ مارچ ۱۹۱۶ء تک یعنی تقریباً چھے سال میں ۹۶ ہزار کلو میٹر (۵۹ ہزار ۶۵۱ میل) کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ پیدل چلنے والے اس چیمپین نے ۸۸ سال کی عمر پائی، جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پیدل چلنا صحت کے لیے کتنا مفید ہے۔

چوبیس گھنٹے کی کارکردگی

ایک آدمی چوبیس گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ کتنے میل پیدل چل سکتا ہے۔ اس کا بھی ریکارڈ موجود ہے۔ برطانیہ کے ہو نیلسن نے سرّے کے مقام پر ۱۴ اور ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو ۲۴ گھنٹے مسلسل پیدل چل کر ۱۳۳ میل ۲۱ گز کا فاصلہ طے کیا۔ خواتین میں یہ ریکارڈ برطانیہ کی این سائر نے ۴ اور ۵۔ مئی ۱۹۸۰ء کو فرانس کے شہر ٹورسی میں ۱۱۸ میل پیدل چل کر قائم کیا۔

ایک گھنٹے کی کارکردگی

ایک گھنٹے میں سب سے زیادہ فاصلہ میکسیکو کے ڈینیل بوٹسٹا نے طے کیا۔ وہ ۲۷۔ مارچ ۱۹۸۰ء کو ایک گھنٹے میں ۹ میل ۶۹۶ گز تک پیدل چلے۔

اُلٹے پاؤں چلنا

الٹے پاؤں چلنے کے ہیرو ٹیکساس کے پلینی ایل ونگو (پیدائش ۱۸۹۵ء) رہے ہیں جنھوں نے ۱۵۔ اپریل ۱۹۳۱ء کو براعظموں کے درمیان آٹھ ہزار میل کے فاصلے پر اُلٹے پاؤں پیدل چلنا شروع کیا اور ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو استنبول (ترکی) اپنی منزل پر پہنچے۔ پھر جب وہ ۸۱ سال کے

ہوئے تو انھوں نے سانتا مونیکا سے سان فران سسکو تک ۴۵۲ میل الٹے پاؤں چل کر اپنے شان دار کارنامے کی ۵۴ ویں سال گرہ منائی۔

۲۴ گھنٹے میں اسّی میل تک پیدل چلا گیا ہے اور یہ رکارڈ فن لینڈ کے ویکو متیاس کا ہے۔

رُکے بغیر چلنا

ایسے بھی لوگ گزرے ہیں جنھوں نے ایک منٹ کے لیے رُکے بغیر چلائی (واکنگ) کی ہے۔ مثلاً ایڈوارڈ جارج فریڈ ۱۳ سے ۱۹ ستمبر ۱۹۸۰ء تک مسلسل ۱۵۲ گھنٹے چالیس منٹ پیدل چلتے رہے اور انھوں نے تقریباً ساڑھے تین سو میل کا فاصلہ طے کیا۔ راستے میں انھیں کہیں آرام نہیں کرنے دیا گیا اور سفر کے ۹۸ فی صد حصّے میں وہ چلتے رہے۔

سب سے زیادہ ٹائٹل

چار مرتبہ اولمپک میں حصّہ لینے والے رونالڈ اوون لیرڈ نے ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۶ء تک امریکا کے ۶۵ قومی ٹائٹل جیتے۔ اس کے علاوہ انھوں نے چار مرتبہ کینیڈا کی چیمپین شپ بھی جیتی۔

دنیا کے گرد پیدل چکّر

ایسے بھی سر پھرے ہیں، جنھوں نے پیدل دنیا کے گرد چکّر لگایا ہے۔ اس سلسلے میں پہلا نام امریکا کے جارج ایم شلنگ کا آتا ہے، جنھوں نے یہ کارنامہ ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۴ء تک انجام دیا۔ مگر تصدیق شدہ کارکردگی ڈیوڈ کنسٹ کی رہی ہے، جنھوں نے اپنے بھائی کے ساتھ ۱۰ جون ۱۹۷۰ء کو اپنا سفر شروع کیا۔ بد قسمتی سے جون پیدل سفر کے دوران ۱۹۷۲ء میں افغان ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارے گئے البتہ ڈیوڈ ساڑھے چودہ ہزار میل پیدل چل کر ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو اپنے گھر واپس پہنچے۔

ارجنٹائن کے ٹامس کارلوس پریرا کے سر پر پیدل چلنے کی ایسی دُھن سوار ہوئی کہ وہ ۶۔ اپریل ۱۹۶۸ء سے ۸۔ اپریل ۱۹۷۸ء تک پیدل چلتے رہے۔ اس دوران انھوں نے ۲۹ ہزار ۸۲۵ میل کا سفر طے کیا اور پانچوں براعظموں کی سیر کی۔

یوں بھی ہوتا ہے

کسی شہر میں ایک تاجر اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ اس تاجر کا نام تھا آغا نصیر۔ میاں بیوی بڑی اچھی زندگی بسر کر رہے تھے۔ گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ تھا مگر ایک چیز کی کمی انھیں اکثر محسوس ہوتی رہتی تھی اور وہ کمی یہ تھی کہ ان کے دونوں بیٹے بصرے میں رہتے تھے جو وہاں تجارت کرتے تھے اور کئی سال سے وہاں مقیم تھے۔ اپنی مصروف زندگی میں انھیں اپنے گھر آنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ آخر انھوں نے اپنے باپ کو لکھا کہ "ابا جان! ہم تو کچھ مدت اور آپ اور امّی سے ملاقات کرنے کے لیے نہیں آسکتے۔ آپ ہی آجائیں۔ ہم بڑی بے تابی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

آغا نصیر اور اس کی بیوی نے طے کر لیا کہ وہ جلد سے جلد تیاری کر کے اپنے بیٹوں کے پاس پہنچ جائیں گے۔ چناں چہ انھوں نے ضروری کاغذات مکمل کر لیے اور سفر کے لیے بالکل تیار ہو گئے۔

قیمتی ساز و سامان انھوں نے اپنے کچھ عزیزوں کے ہاں رکھوا دیا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اب مسئلہ رہ گیا تھا ایک مرغے اور مرغی کا جنھیں آغا نصیر نے اپنی بیوی کی خواہش پر ڈیڑھ مہینہ پہلے خریدا تھا۔ یہ جوڑا دونوں کو کافی عزیز تھا اور وہ اسے نہ تو بیچ دینا چاہتے تھے اور نہ کسی کو مفت دینا چاہتے تھے۔ "اس جوڑے کا کیا انتظام کیا جائے کہ جب واپس آئیں تو ہمیں مل جائے۔" اس معاملے پر دونوں میاں بیوی غور کر رہے تھے کہ آغا نصیر بولا، "بیگم، یہیں قریب میں میرا ایک پرانا دوست رہتا ہے۔ اسے مُرغیاں پالنے کا شوق بھی ہے۔ میں اپنا جوڑا اس کے حوالے کر آتا ہوں۔ وہاں ان کا دل بھی بہلتا رہے گا اور واپسی پر میرا دوست انھیں لوٹا بھی دے گا۔"

بیوی نے یہ تجویز مان لی۔ آغا نصیر اپنے دوست چودھری رکن دین کے ہاں جوڑا لے

کر جا پہنچا۔

چودہری نے اپنے پرانے دوست کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ بولا، "آغا صاحب! آپ نے تو ہمیں بُھلا ہی دیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج آپ نے اپنی شکل دکھائی۔ سارا دن غریب خانے پر رہیے۔"

آغا نصیر نے معذرت چاہی اور اپنا مسئلہ بیان کر دیا۔

"واہ آغا صاحب! یہ بھی کوئی بات ہے۔ آپ کی امانت میرے پاس محفوظ رہے گی۔"

آغا نصیر اپنا جوڑا چودہری کے حوالے کر کے گھر آیا اور اسی شام دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔

آغا نصیر کا خیال تھا کہ تین چار ماہ بعد واپس آجائیں گے مگر وہاں اس نے بیٹوں کا وسیع کاروبار دیکھا تو خود بھی اس میں حصّہ لینے لگا۔ اس کاروبار میں اس کا ایسا دل لگا کہ پورے تین برس گزر گئے۔

آغا نصیر نے سفر پر جانے سے پہلے چودھری کو مرغا مرغی دے دیے۔

ایک دن اس کی بیوی بولی، "اب ہمیں واپس جانا چاہیے، ورنہ وہاں ہمارا جو کاروبار ہے ٹھپ ہو جائے گا۔"

بات بالکل ٹھیک تھی اور انھوں نے سوچ لیا کہ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ اور بصرے میں رہیں گے اور اس کے بعد ہر صورت میں وطن لوٹ جائیں گے۔ اُدھر چودہری رکن دین نے جب دیکھا کہ اس کے دوست کو گئے ہوئے مدت گزر گئی ہے اور واپس نہیں آیا تو اسے امانت میں خیانت کی سوجھ گئی۔ آغا نصیر نے اسے جو جوڑا دیا تھا اس کی وجہ سے اس کے ہاں کئی مرغوں اور مرغیوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ انڈے الگ بیچ بیچ کر اچھی خاصی رقم جمع کر لی تھی۔

اس نے سوچا کہ اب اگر میرا دوست واپس آتا ہے تو میں آسانی سے کہہ دوں گا کہ تمھارا مرغا اور مرغی بوڑھے ہو کر مر گئے ہیں۔ وہ یقین کرے گا اور مجھے سب کچھ بڑی آسانی سے مل جائے گا۔ اس نے وہ جوڑا بیچ دیا۔

چند روز بعد اس کا دوست آگیا۔ اپنے دوست سے مل کر اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اس کی ہر طرح خاطر مدارت کی اور جب وہ جانے لگا تو بڑے افسوس سے کہنے لگا:

"میرے پیارے دوست! مجھے سخت افسوس ہے کہ تمھارا جوڑا مر گیا تھا۔"

"اوہو ـــ"

"میں بڑا شرمندہ ہوں مگر کیا کیا جا سکتا ہے۔" چودہری نے اپنی طرف سے بڑی شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

آغا نصیر نے دیکھا کہ اس کے دوست کا وسیع صحن مرغوں اور مرغیوں سے بھرا ہوا ہے تو بولا: "چودہری صاحب! شاید یہ میرے جوڑے کی اولاد ہے۔"

چودہری بڑا کائیاں تھا، جھٹ کہنے لگا:

"میں نے انھیں پالا ہے ـــ ان کی پرورش کی ہے۔ حفاظت کی ہے۔ ان پر آپ کا تو کوئی حق نہیں ہے۔"

آغا نصیر کو یہ بات سُن کر دُکھ ہوا تاہم کہنے لگا:

"ٹھیک ہے ـــ بعض معاملات میں انسان مجبور ہو جاتا ہے ـــ اچھا خدا حافظ ـــ"

آغا نصیر مایوس ہو کر گھر آیا۔ اس کی بیوی نے یہ واقعہ سُنا تو بولی، "آپ نے اپنے

دوست پر اعتماد کیا، اچھا نہیں کیا۔"

"خیر اب یہ معاملہ بھول جاؤ۔"

مگر وہ یہ معاملہ نہ بھولی۔ اس نے اپنے رشتے کے ایک بھائی علی احمد سے اس کا ذکر کر دیا، جو کچھ منٹ سوچتا رہا پھر بولا، "آپا، یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ دیکھیے میں کیا کرتا ہوں۔" علی احمد اس سے زیادہ کچھ اور کہے بغیر چلا گیا۔

دوسرے روز اس نے مارکیٹ جا کر مرغے مرغی کا ایک عام جوڑا خریدا اور چودھری رکن دین کے گھر چلا گیا۔

"جی فرمائیے کیا بات ہے؟" چودھری نے ایک اجنبی کو اپنے دروازے پر دیکھ کر سوال کیا۔ علی احمد بولا، "چودھری صاحب! میں ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں۔ پرسوں یہ بہت قیمتی جوڑا میں نے خریدا تھا۔ ارادہ تھا کہ ان سے انڈے نکلواؤں گا۔ بہت سارے بچے پیدا ہوں گے، تو میرے کاروبار میں اضافہ ہو جائے گا۔"

"بڑی اچھی اسکیم ہے۔" چودھری صاحب نے کہا۔

"اسکیم تو بہت اچھی ہے مگر ابھی اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ میں باہر جا رہا ہوں۔ آپ کی دیانت داری کی بہت تعریف سُنی ہے اور پھر آپ کے ہاں بے شمار جوڑے اپنے ہیں۔ مہربانی کر کے میرا جوڑا بھی رکھ لیں اور یہ کچھ رُپے ہیں، اس کی خوراک وغیرہ کے لیے۔"

چودھری پہلے تو رُپے لینے سے انکار کرتا رہا پھر اس نے یہ رقم لے کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ "آپ کب واپس آئیں گے؟" چودھری نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے چند ماہ تک آ جاؤں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چند سال لگ جائیں۔"

"چند سال بھی لگ سکتے ہیں؟" یہ سوال کرتے ہوئے چودھری اپنے دل میں بڑا خوش تھا۔

"جی ہاں، ایسا ممکن ہے۔"

علی احمد چودھری سے مصافحہ کر کے چلا گیا۔

اسے بھلا جانا کہاں تھا۔ اپنے شہر ہی میں کام کاج کرتا رہا۔

چودھری کو علی احمد نے بتایا تھا کہ یہ جوڑا بڑا قیمتی ہے اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ وہ اس کے دوست آغا نصیر کی طرح کافی مدّت بعد آئے گا۔ چودھری وہ جوڑا زیادہ سے زیادہ قیمت

پر فروخت کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے کیا یہ کہ اپنے گاؤں کے ایک رشتے دار کے ہاں اسے بھجوا دیا، تاکہ جب کچھ بچے ہو جائیں تو اسے بیچ دے۔

ابھی پندرہ دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ علی احمد ایک صبح چودھری کے ہاں پہنچ گیا۔

"آپ؟" چودھری اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ہاں چودھری صاحب! میں جہاں گیا وہاں دل نہ لگا۔ لوٹ آیا ہوں۔ میری امانت؟"

"وہ تو ــــ؟" چودھری فقرہ مکمل نہ کر سکا۔

"وہ تو کیا؟" علی احمد نے بے چینی سے پوچھا۔

چودھری نے سر جھکا لیا، جیسے بڑا شرمندہ ہے۔ "کیا عرض کروں۔ بے حد شرمسار ہوں۔ آپ کے جانے کے پانچویں روز کوئی ظالم چرا کر لے گیا۔"

"چرا کر لے گیا؟"

"جی ہاں، آپ سے کس قدر شرمندہ ہوں بیان نہیں کر سکتا ــــ میری سمجھ میں نہیں

چودھری دکن دین اور علی احمد مقررہ دن عدالت پہنچے

آتا کہ کیا کروں ۔ میں تاوان دینے کے لیے تیار ہوں ۔ میرے پاس درجنوں جوڑے ہیں ۔ جو بھی آپ پسند کریں ۔ میں تاوان میں دوں گا۔"

"اچھا خدا حافظ" علی احمد نے اپنے چہرے سے ظاہر کیا جیسے اُسے کوئی صدمہ نہیں ہوا ۔

چودہری بڑا خوش ہوا کہ بلا ٹل گئی ۔ وہ اپنی ذہانت پر بڑا خوش تھا کہ تین روز بعد ایک مقامی عدالت سے اس کے نام سمن آیا کہ فلاں دن عدالت میں حاضر ہو جاؤ ۔

"عدالت میں میں کیوں حاضر ہوں ۔۔ کیا کیا ہے میں نے"، اس نے اپنے دل میں کہا ۔

بہرحال وہ مقررہ دن کو عدالت میں پیش ہو گیا ۔ وہاں علی احمد پہلے سے موجود تھا ۔"چودہری رکن دین ، یہ شخص کہتا ہے کہ اس نے اپنا ایک قیمتی جوڑا تمھارے حوالے کیا تھا؟" جج نے کہا ۔

چودہری کہنے لگا ،" درست ہے جناب ! مگر میں نے عرض کر دیا تھا کہ یہ جوڑا چوری ہو گیا ۔

"اب تم کیا کہتے ہو علی احمد"، جج نے علی احمد سے پوچھا ۔

"جناب ، میں یہ عرض کرتا ہوں کہ میرے جوڑے کی حفاظت کرنا چودہری صاحب کی ذمے داری تھی ۔ خیر مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے ۔ میں ان کی بات تسلیم کرتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے میرا جوڑا اپنے ہاں رکھنے پر رضامندی ظاہر کی تھی ۔"

یہ سُن کر چودہری کی باچھیں کھل گئیں ۔ بولا ،" جناب ، میں نے ان سے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ میرے پاس بے شمار جوڑے ہیں ، ان میں سے جو مانگیں گے دے دوں گا ۔"

علی احمد ایک منٹ چُپ کھڑا رہا پھر بولا ،" جناب ! میرا جوڑا بہت ہی قیمتی تھا اور چوں کہ چودہری صاحب تاوان دینے کے لیے تیار ہیں اور خود کہہ رہے ہیں کہ میرے پاس بے شمار جوڑے ہیں ۔۔ تو میں حضور ! تاوان میں یہ سارے جوڑے مانگتا ہوں ۔"

اتنا سننا تھا کہ چودہری کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا ۔

"کیوں چودہری صاحب ! یہ ٹھیک ہے ؟" جج نے پوچھا ۔

"جی .... میں .... نے .... تو .... تو ....!"

"بس اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ۔ تم نے خود تاوان دینے پر رضامندی ظاہر کی ہے ۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ اپنے سارے جوڑے علی احمد کے حوالے کر دو ۔" چودہری بھلا عدالت کے فیصلے سے کیسے انکار کر سکتا تھا ۔ دوسرے روز چودہری کے سارے جوڑے آغا نصیر کے صحن میں تھے ۔

انوکھا کھلونا

شاکر عثمانی

آمنہ بی بی جمعہ بازار میں گھر کا سودا سلف خریدنے گئیں تو ساجد کو بھی ساتھ لے لیا۔ ساجد ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اس سے چھوٹی دو بہنیں تھیں اور پھر منّو تھا۔ منّو میاں ابھی صرف دو سال کے تھے۔ ساجد کی عمر دس سال ہو گئی تھی۔ وہ دل لگا کر پڑھتا تھا۔ سرکاری اسکول میں سب اُستاد اس سے محبت کرتے تھے۔ اسکول میں اس کی ایمان داری، لگن اور سب کے ساتھ خلوص کا چرچا اکثر ہوتا تھا۔ وہ امتحان اچھے نمبروں سے پاس کرتا ہوا اب پرائمری کے آخری سال میں آگیا تھا۔ صحت مند ساجد ذہین بھی تھا اور خوب صورت بھی، لیکن اپنی دُھن کا پکّا یہ لڑکا کسی حد تک جذباتی واقع ہوا تھا۔

جب ساجد رُپے گن رہا تھا تو مجبور ماں کی آنکھوں میں آنسو امنڈ رہے تھے۔

جس بات کا فیصلہ کرلیتا اسے پورا کرکے دم لیتا تھا۔

بازار میں بہت بھیڑ تھی اور دُکانوں پر سامان کی کثرت، آمنہ بی بی صرف ضرورت کی چیزیں تلاش کر رہی تھیں۔ ساجد کے ابّو سرفراز علی دو سال سے گھر پر بیٹھے ہوئے تھے اور مالی اعتبار سے گھر کے حالات بہت خراب تھے۔ ساجد کو ان باتوں کا کچھ کچھ اندازہ تو تھا مگر ابھی وہ پوری طرح ان دشواریوں کو نہیں جانتا تھا جو سرفراز علی کی اچانک معذوری سے پیدا ہوگئی تھیں۔

سرفراز علی ایک پرائیوٹ ادارے میں بڑھئی تھے۔ کام کے دوران ایک دن ان کا دایاں ہاتھ اور دایاں پیر اچانک ایسے شدید زخمی ہوئے کہ انھیں ہسپتال میں کئی مہینے رہنا پڑا۔ جان تو بچ گئی مگر اب وہ کام کاج کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ ان کے رشتے دار اوّل تو بہت کم تھے، پھر زیادہ تر غریب لوگ تھے اور جیسے تیسے کرکے اپنا کام چلا رہے تھے۔ غیرت مند سرفراز علی نے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا تھا۔ ان کی کمپنی نے اس حادثے کی وجہ سے کچھ معاوضہ دیا تھا۔ کچھ عرصے تک گھر بیٹھے تنخواہ بھی انھیں ملی تھی، مگر اب بند تھی۔ کہتے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے تو کنویں بھی خالی ہوجاتے ہیں۔ اگر محنت اور ترقی نہ ہو تو کتنا بھی سرمایہ کیوں نہ ہو وہ ایک نہ ایک دن ختم ہوجاتا ہے۔ آمنہ بی بی کے گھر کا بھی اب یہی حال تھا۔ وہ سوچا کرتی تھیں کہ اب کیا ہوگا۔ سرفراز علی دل میں کُڑھا کرتے تھے کہ معذوری نے انھیں کسی قابل نہ چھوڑا۔ آمنہ بی بی کے پاس لے دے کے ایک سلائی مشین تھی جو اس آڑے وقت میں سہارا بنی تھی۔ ہاکی دیکھ کر ساجد کے منھ میں پانی بھر آیا۔ وہ اسکول میں ہاکی کا اچھا کھلاڑی مشہور تھا۔ اس نے ہاکی خریدنے کا فیصلہ کرلیا۔ پھر امّی سے کہنے لگا: "امّی، مجھے ہاکی دلا دیجیے"

اس کی امّی نے جب ہاکی کی قیمت دریافت کی تو سکتے میں آگئیں۔ ہاکی پچاس رُپے کی تھی وہ بڑبڑانے لگیں، "پچاس.. رُپے.. ان سے تو میں پانچ دن تک گھر چلاتی ہوں۔" ان کے پاس اتنے پیسے کہاں تھے، اس لیے انھوں نے بیٹے کو ٹالنے کے لیے کچھ باتیں کہیں۔ "نہیں امّی، میری پیاری امّی، مجھے ہاکی دلا دیجیے.. دلا دیں نا۔" ساجد اصرار کرنے لگا۔ آمنہ بی بی کچھ سامان خرید چکی تھیں، کچھ باقی تھا۔ ان کے پاس بارہ رُپے بچے تھے۔ پرس کھول کر انھوں نے بیٹے کے سامنے کردیا۔ جب ساجد رُپے گن رہا تھا تو مجبور ماں کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ رہے تھے۔ وہ ساجد کا شوق پورا کرنا چاہتی تھیں، مگر یہ بات کسی طرح بھی ان کے اختیار میں نہ تھی۔ آمنہ بی بی نے اپنے آنسو چپکے سے خشک کرلیے۔ وہ بیٹے کو سمجھانے لگیں کہ جیسے ہی پیسے ہوئے وہ ساجد کو یہی والی ہاکی دلا دیں گی۔

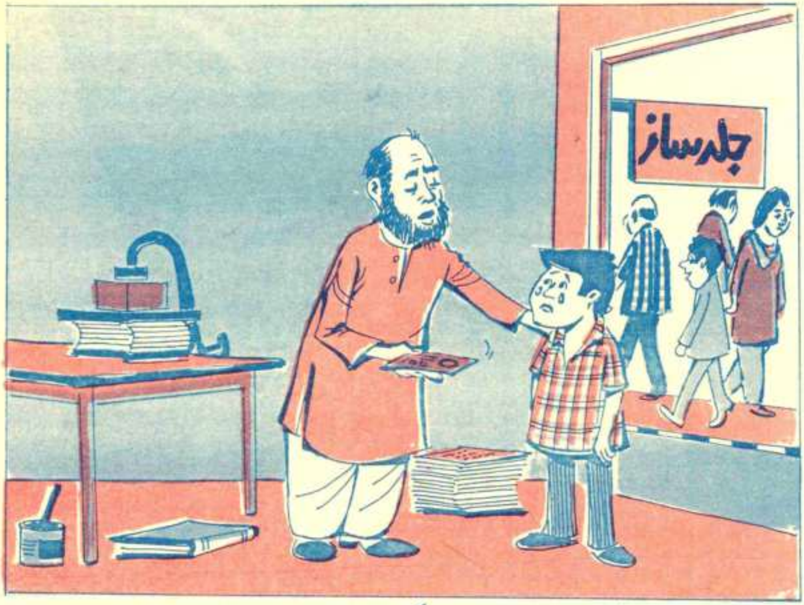

"کیا ہوا میرے بچے؟" ہمدرد کریم نے ساجد سے پوچھا۔

ساجد کا جی چاہا کہ زور زور سے رونے لگے، لیکن کچھ سوچ کر وہ خاموش ہو کر رہ گیا۔ یہ حسرت ایسی نہ تھی کہ اس کا دل اور دماغ آسانی سے برداشت کر جاتا۔ اسے ماں سے، باپ سے، خود سے اور پھر ساری دنیا سے شکایت ہونے لگی۔ رات کو وہ چارپائی پر لیٹا تو آدھی رات تک نیند نہ آئی اور وہ نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا، اُلٹی سیدھی باتیں جواب تک اس نے کبھی نہ سوچی تھیں۔ آج اُسے اندازہ ہو رہا تھا کہ قسمت کیا چیز ہوتی ہے۔ دوسرے دن اسکول میں اُس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ ماسٹر حمید صاحب نے بھانپ کر اس سے پوچھنا چاہا۔ ساجد نے اتا پتا تو نہ دیا، مگر ذہین استاد نے سمجھ لیا کہ ساجد افسردہ ہے۔ انھوں نے صرف اتنا کہا، "ساجد میاں، اگرچہ تقدیر پر ہمارا ایمان ہے، تاہم محنت کا پھل بہت میٹھا ہوتا ہے۔ اللہ میاں انسان کو صرف اتنا ہی دیتے ہیں جتنا وہ خود اپنی کوشش اور محنت سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔" ماسٹر صاحب کی بات نے ساجد کے دل کو جیسے اپنی مٹھی میں لے لیا تھا۔ وہ کئی دن تک اس بات پر غور کرتا رہا۔ آخر اس نے عہد کر لیا کہ وہ بھی محنت کرے گا اور اپنی قسمت خود بنائے گا۔

جمعہ کو اسکول میں چھٹی تھی۔ ساجد بہانہ کر کے گھر سے نکل گیا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد اُسے ایک لوہار کی دکان نظر آئی۔ اس نے لوہار سے کہہ سُن کر چار گھنٹے کام کرنے کی ایک جگہ حاصل کرلی۔ ساجد دوپہر کو گھر سے نکل جاتا، بہانہ ایک دوست کے ساتھ مل کر پڑھنے کا تھا، مگر وہ سیدھا لوہار کی دُکان پر جا کر کام سے لگ جاتا، وہ بھٹّی کے قریب چبوترے پر بیٹھ کر بڑا سا پہیّا چلایا کرتا جس سے لوہار کی بھٹّی میں آگ جلائی جاتی تھی۔

اتفاق کی بات ہے ایک دن اسکول کے ایک لڑکے نے ساجد کو دیکھ لیا۔ ساجد دل میں بہت شرمایا اور اس نے وہ کام چھوڑ دیا۔ اب ساجد ایک قالین کے کارخانے دار کے پاس پہنچا۔ اس نے ساجد کو دو رُپے روزانہ پر رکھ لیا۔ یہاں ساجد کام بھی سیکھتا اور محنت مزدوری بھی کیا کرتا۔ جو کچھ ملتا اسے وہ چھپا کر اپنی غُلک میں جمع کرتا رہتا تھا۔ ساجد کو چاٹ کی عادت نہیں تھی۔ سارے پیسے جمع کرتا تھا۔ کچھ دن بعد اس نے وہ کارخانہ بھی چھوڑ دیا۔ اور ایک دُور دراز ہوٹل میں بیرے کا کام کرتا رہا، مگر یہ بھی زیادہ دن کھینچ نہ سکا اور ایک گنّے کا رس بیچنے والے کے پاس چلا گیا۔ گنّے کی مشین بڑی قوت سے چلانی پڑتی تھی۔ مشین چلانے کے علاوہ گاہکوں کو بھی نمٹانا پڑتا تھا۔ کچھ دن بعد ساجد نے محسوس کیا کہ مالک اس پر شک کرتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ساجد بھیڑ کے اوقات میں گاہکوں سے جو رقم وصول کرتا ہے اس میں سے کچھ چُرا لیتا ہے۔ ایک دن جب مالک نے اپنی زبان سے بھی یہ بات کہہ دی تو ساجد نے یہ کام بھی چھوڑ دیا۔

اب ساجد کے پاس تیس رُپے جمع ہو گئے تھے۔ سخت محنت کی یہ کمائی اب بھی ہاکی کے لیے ناکافی تھی۔ ایک دن جب ساجد گھر آ رہا تھا تو اس نے ایک جلد ساز کو دیکھا۔ جلد ساز ایک مہربان بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے جب ساجد سے بات کی تو ساجد نے کام سیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ساجد کو یہ کام اچھا لگ رہا تھا۔ "میں تمھیں کام سکھا دوں گا، لیکن ایک شرط ہوگی۔" جلد ساز نے بعد میں کہا۔ "جی فرمایئے، کیا شرط ہوگی؟" ساجد نے پوچھا۔ "صرف یہ شرط ہوگی کہ جب تک تمھاری تعلیم مکمل نہ ہو جائے تم یہ کام تھوڑی دیر روزانہ کے طور پر کیا کرو گے، میں تمھیں موقع دوں گا کہ اپنے گھر پر رہ کر تم کام کر سکو۔" ساجد اس بات سے بہت خوش ہوا، اس نے ہامی بھر لی۔ کریم جلد ساز نے اسے فوراً کام پر لگا لیا۔ کام سیکھنے کے دوران کریم اسے دو رُپے روزانہ دے دیا کرتے تھے۔ ایک مہینہ پورا ہوا تو ساجد چھوٹا موٹا کاری گر بن چکا تھا۔ یہ کریم کی توجہ اور ساجد کی لگن کا پھل تھا۔ اس دن شام کو کریم

نے ساجد کو روک لیا۔ پھر کہنے لگے، "بیٹا اب تم اس قابل ہو کہ گھر پر رہ کر کام کر سکتے ہو۔" "لیکن چاچاجی، کام کیسے کروں گا؟ میرے پاس اوزار کہاں ہیں؟" وہ کریم کو چاچاجی کہنے لگا تھا۔ کریم اس کی بات سن کر مسکرائے، پھر انھوں نے جیب میں سے نوٹ نکالے۔ انھوں نے ایک سو رُپے کا نوٹ ساجد کی طرف بڑھایا: "بیٹا یہ رکھ لو۔ تم ان رُپوں سے اوزار خرید لینا۔" سرخ سا نوٹ بڑا اچھا لگ رہا تھا، مگر ساجد کو ایسا لگا جیسے کریم بھی لوہار، قالین والا استاد، گنّے والا مالک اور ہوٹل والا سیٹھ بن گیا ہو۔ نوٹ چمک رہا تھا، مگر ساجد کا سر گھوم رہا تھا، اسے چکّر سا آرہا تھا، وہ حساس لڑکا اس ہمدردی کو "بھیک" سمجھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "کیا ہوا میرے بچے؟" ہمدرد کریم نے اسے پیار سے چمٹاتے ہوئے پوچھا۔ "کچھ نہیں۔۔ کچھ بھی تو نہیں چاچاجی" ساجد نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔ پھر اس نے کریم کو ہاکی والا قصہ سنایا۔ بعد میں کہنے لگا۔ "چاچاجی اب میں نے ایک خاص کھلونے کا راز پالیا ہے۔ میرے خیال میں ہاکی سے محبت بلکہ عقیدت کا یہ سب سے اچھا سبق ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ محنت کروں۔ اب میں نے محنت کر کے سو رُپے جمع کر لیے ہیں، یوں تو میں ان سے بہت سے کھلونے خرید سکتا ہوں، لیکن میرے خیال میں سب سے اچھا اور سب سے پائیدار کھلونا محنت کا جذبہ ہے۔ اب میں زندگی بھر اسی کھلونے سے کھیلنا چاہتا ہوں۔

خاص نمبر

ہمدرد نونہال کا شان دار، پُر بہار، مزے دار خاص نمبر ستمبر ۸۵ء میں شائع ہو رہا ہے۔ اس میں وہ سب کچھ ہوگا جو نونہالوں کو پسند ہے۔ مختصر، لمبی، انوکھی کہانیاں، بہت سے لطیفے، انعامی سوالات اور انعامی کہانی، لڑکیوں کے لیے مفید معلومات، بڑے بڑے لکھنے والوں کی مسکراتی تحریریں، تصویری خبریں، مذہبی، سائنسی، تاریخی معلومات، کھیلوں پر مضمون، عربی زبان سیکھنے کے لیے دس سبق بھی شامل ہوں گے۔

اور خاص نمبر کے ساتھ ایک خوب صورت کتاب کا تحفہ بھی

رنگین سرورق، ۲۸۸ صفحات، قیمت آٹھ رُپے

تفصیلی اعلان صفحہ ۲۷ پر دیکھیے

مسٹر ڈرپوک

مہروز اقبال

اس رات ساجد اور میں انجم کی سال گرہ میں شرکت کر کے گھر واپس آ رہے تھے۔ ساجد میرا ہم جماعت بھی تھا اور پڑوسی بھی۔ ہم دونوں ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔

اپنے محلّے کی تاریک گلی میں ہم جیسے ہی داخل ہوئے خوف سے ساجد کی چیخ نکل گئی۔ اُس نے میری کلائی اس زور سے پکڑی جیسے وہ اسے توڑ ہی ڈالے گا۔

میں کھلکھلا کر ہنس دیا، "خوب مسٹر ڈرپوک! بھئی یہ تو ایک معمولی سی کالی بلّی تھی، جو کھڑکی سے کودی تھی۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ میرا دوست اتنا بزدل ہو گا کہ ایک بلّی کو

لکڑی کا پھاٹک کھول کر اندر قدم رکھا تو لمبی لمبی گھاس اور خشک جھاڑیوں نے استقبال کیا۔

دیکھ کر اس کی گھگی بندھ جائے گی۔"

اس پر ساجد کو غصّہ آ گیا۔ تُنک کر بولا، "تم اتنے بہادر بنتے ہو تو اسلم منزل میں جا کر دکھاؤ۔ دن کے وقت ہی سہی اگر تم نے اسلم منزل کے پچھلے حصّے میں اپنا نام اور اس دن کی تاریخ لکھ دی تو میں تمھیں پورے پچاس رُپے دوں گا ورنہ اتنی ہی رقم تم سے وصول کروں گا۔ کہو منظور ہے؟"

"منظور ہے۔" میں نے جواب دیا، "کل چھٹّی کے دن ہی میں تمھیں اس مکان میں جا کر دکھا دوں گا۔"

اس رات جب میں سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو اسلم منزل کا خیال میرے دماغ پر چھا گیا۔ لوگ اس مکان کو آسیب زدہ تصوّر کرتے تھے۔ اس کے بارے میں ایک عجیب و غریب کہانی بیان کی جاتی تھی کہ وہاں ایک شخص اپنے بارہ سالہ لڑکے کے ساتھ رہتا تھا۔ لڑکا اچانک بیمار پڑ گیا۔ ہزار علاج کرنے کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکا اور ایک طوفانی رات میں اس دنیا سے چل بسا۔ بوڑھا باپ اکلوتے بیٹے کی اچانک موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکا۔ وہ پاگل ہو گیا اور اسلم منزل چھوڑ کر کہیں چلا گیا اور پلٹ کر واپس نہ آیا۔ اسلم منزل بستی سے دُور ایک ویران علاقے میں واقع تھی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ انھوں نے اس ویران مکان سے کبھی رونے کی اور کبھی ہنسنے کی آوازیں سُنی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ لڑکے کی بے چین روح اس مکان میں بھٹکتی پھرتی تھی اور اس لیے کوئی اس مکان کے قریب بھی جانے کی ہمّت نہ کرتا تھا، لیکن میں بھوتوں اور چڑیلوں کو مانتا نہیں تھا۔ بھوت پریت تو صرف وہم کی پیداوار ہیں۔ حقیقت سے ان کا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

لہٰذا اگلی صبح میں ناشتا کر کے بڑی شان سے اتراتا ہوا اسلم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میں اس مکان کے قریب پہنچا تو وہ مکان واقعی بڑا ویران اور بھیانک نظر آ رہا تھا۔ آس پاس کسی انسان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ لکڑی کے ٹوٹے ہوئے پھاٹک میں سے میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا تو بڑے احاطے میں لمبی لمبی گھاس اور خشک جھاڑیوں نے میرا استقبال کیا۔ میں گھاس کو روندتا ہوا برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اچانک مجھے ایسا لگا جیسے کوئی رو رہا ہے۔ میں فوراً رُک گیا۔ پلٹ کر اِدھر اُدھر دیکھا، لیکن وہاں کوئی انسان

دُور ہال کے کونے میں سفید کفن میں لپٹی ہوئی کوئی شے نظر آئی۔

تو کیا جانور کا بچّہ تک نظر نہ آیا۔

"یہ شاید جھاڑیوں میں سے سرسراتی ہوئی ہوا کی آواز ہو گی۔" میں نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ مکان کی پچھلی طرف جانے کے لیے مجھے کسی کمرے میں سے ہو کر گزرنا تھا۔ برآمدے میں کُل چار دروازے تھے جن میں سے تین میں زنگ آلود تالے پڑے ہوئے تھے، میرا منھ چڑا رہے تھے، بلکہ مجھے ڈرانے کی ناکام کوشش بھی کر رہے تھے۔ میں اس دروازے کی طرف بڑھا، جس میں نہ کوئی تالا تھا اور نہ پہرا۔ جیسے ہی میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی میں اپنی جگہ کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ چند قدم کے فاصلے پر کسی نے ایک بڑا سا پتّھر پھینکا تھا۔ میں نے پھر گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا، لیکن وہاں جھاڑ جھنکار اور دیواروں چھتوں پر مکڑی کے جالوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ "پتّھر کون پھینک سکتا ہے؟" میں نے خود سے سوال کیا۔ مجھ پر دہشت طاری ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چھپ کر پیچھے سے حملہ کرنے والا ہے۔ ہو سکتا ہے پتّھر چھت کی منڈیر سے خود بہ خود گرا ہو یا پھر ہوا کی

جنبش یا کسی پرندے کی حرکت کی وجہ سے نیچے آرہا ہو۔ میں نے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور خوف کو اپنے دل سے نکال باہر کیا۔

اب میں بغیر قفل والے دروازے سے مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو گیا۔ اپنے مضبوط ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیلا۔ وہ ذبح ہونے والے بکرے کی طرح بھیانک آواز سے کھلا۔ میں نے بڑی احتیاط سے اندر قدم رکھا۔ یہ ایک بڑا سا ہال تھا، جس کی دوسری جانب عمارت کا پچھلا دروازہ میرا انتظار کر رہا تھا۔

اس نیم تاریک ہال میں ابھی میں نے مشکل سے دو تین قدم ہی بڑھائے ہوں گے کہ مجھے اچانک احساس ہوا کہ وہاں میرے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ دل دھک دھک کرنے لگا۔ خوف سے آنکھیں پھیل گئیں۔ اتنے میں مجھے دور ہال کے کونے میں سفید کفن میں لپٹی ہوئی کوئی شے نظر آئی، جو آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی پچھلے دروازے سے غائب ہو گئی۔ اب میں واقعی بُری طرح ڈر گیا تھا۔ جتنی بھی آیتیں یاد آئیں، میں نے پڑھنی شروع کر دیں۔ میرا خوف کم ہوا تو میں نے بجائے آگے بڑھنے کے گھر واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ ابھی ایک ہی قدم پیچھے ہٹا تھا کہ میں نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی۔ اگر میں اسلم منزل کے پچھلے دروازے پر اپنا نام و تاریخ کندہ کیے بغیر چلا گیا تو دوست میرا خوب مذاق اُڑائیں گے اور ساجد کا بچہ تو نہ صرف مجھ سے پچاس رُپے ہتھیائے گا بلکہ زمانے بھر میں میری بزدلی کا ڈھنڈورا پیٹے گا۔ مجھے جو سفید متحرک چیز نظر آئی تھی وہ محض میری نظروں کا دھوکا ہو سکتا ہے، کیوں کہ اسلم منزل کے بارے میں میں نے پہلے ہی سُن رکھا تھا کہ اس میں بھوت کا بسیرا ہے۔ اس لیے میری آنکھیں اور کان دھوکا کھا رہے تھے۔ یہ سوچتے ہی میرے اندر ایک نئی ہمّت پیدا ہو گئی اور میں پلٹا۔ پھر پچھلے دروازے کی طرف احتیاط سے قدم بڑھانے لگا۔ اب دروازہ بہت قریب رہ گیا تھا۔ میں نے پتلون کی جیب سے چاقو نکالا جو میں نے دروازے پر اپنا نام کندہ کرنے کے لیے گھر کے باورچی خانے سے لیا تھا۔

جیسے ہی میں نے دہلیز پر قدم رکھا ایک بار پھر خوف سے تھرّا اُٹھا۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں۔ میرے بالکل سامنے سفید کفن میں لپٹی ہوئی لڑکے کی لاش کھڑی تھی۔

"م.....م... مجھے معاف کر دو اچھے بھوت۔" میں ہکلایا، "آیندہ میں تمھارے مکان میں

کبھی نہیں آؤں گا۔"

"جاؤ معاف کیا۔" بھوت نے ساجد کی آواز میں ہنستے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اپنے چہرے پر سے کپڑا ہٹایا اور کھلکھلا کر ہنس دیا۔ میں دانت پیس کر رہ گیا، لیکن اب وقت نکل چکا تھا۔ اسلم منزل سے باہر نکلتے ہی اس نے پچاس روپے کا مطالبہ کیا اور یہی نہیں بلکہ بعد میں میری بزدلی کا واقعہ دنیا بھر کو مزے لے لے کر سناتا پھرا۔ میں شرمندہ ہوتا، لیکن اسلم منزل کے بھوت کی حقیقت کھل چکی تھی۔

صحّت کی الف بے

مسعود احمد برکاتی

کیا کوئی پھول کی خوش بُو اور رنگ جُدا کر سکتا ہے؟ جس طرح خوش بُو اور رنگ یک جا ہوتے ہیں اسی طرح کردار اور صحت بھی یک جان ہوتے ہیں جس طرح کردار کی بنیاد چند بنیادی صفات مثلاً سچائی دیانت وغیرہ پر قایم ہے۔ صحت کے اصول سادہ اور آسان ہیں صرف انھیں ذہن نشین کرلنے اور اُن پر عمل کی ضرورت ہے۔ صحت کی الف بے میں صحت و تن درستی کی بنیادی باتیں آسان اور دل کش انداز میں پیش کی گئی ہیں بچّوں کے مشہور ادیب کے قلم سے۔

باتوں باتوں میں کام کی باتیں، بچّوں کے علاوہ بڑوں کے لیے بھی مفید۔ جو شخص بھی یہ کتاب پڑھے گا وہ اپنی ایک قیمتی دَولت کی قدر اور حفاظت کر سکے گا۔

قیمت: ۴ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

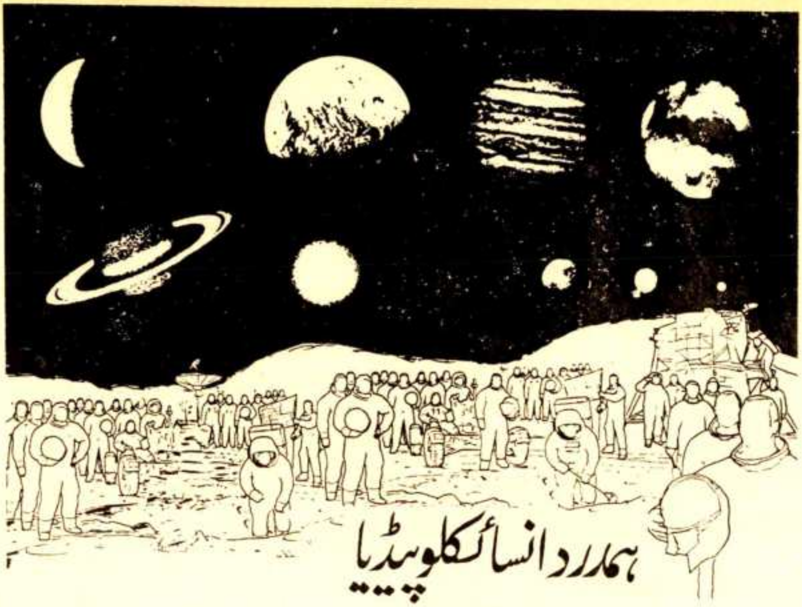

ہمدرد انسائیکلوپیڈیا

س : لوہے کی چیزوں کو زنگ کیسے لگ جاتا ہے؟ خالد محمود قریشی، کراچی

ج : ہوا کی وجہ سے جس میں آکسیجن گیس موجود ہوتی ہے۔

س : کل سیاروں کی تعداد کتنی ہے۔ سیّارے کہاں ہیں اور ہمیں نظر کیوں نہیں آتے؟

افضالیہ عندلیب، پشاور

ج : سیّاروں کی کُل تعداد نو ہے جو مل کر نظامِ شمسی کہلاتے ہیں۔ سورج کی طرف سے شمار کرتے ہوئے ان کی ترتیب یوں ہے: عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون، پلوٹو۔ یہ سب سیّارے سورج سے مختلف فاصلوں پر رہتے ہوئے اُس کے چاروں طرف گردش کرتے ہیں۔ ان میں سے زہرہ اور مریخ ہماری زمین کے پڑوسی سیارے ہیں اور شام کے وقت دُوربین کے بغیر بھی نظر آجاتے ہیں۔ باقی سیارے ہم سے بہت دُور ہیں، اس لیے نظر نہیں آتے۔ وہ خود نہیں چمکتے بلکہ سورج کی روشنی کو منعکس کرتے ہیں اور چمکتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

س: شتر مرغ کس ملک میں زیادہ پایا جاتا ہے اور اس کی خاصیت کیا ہے؟
عبدالقیوم قاضی احمد، نواب شاہ
ج: شمالی افریقہ کے علاقوں میں۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اُڑتا نہیں بلکہ تیز دوڑتا ہے۔

س: اسکائی لیب کس سائنس داں نے ایجاد کی؟ شہزاد نیازی، سکھر
ج: کسی ایک سائنس داں نے نہیں بلکہ امریکا کے بہت سے سائنس دانوں اور انجینیروں کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اسے آہستہ آہستہ ترقی دی گئی۔

س: نیوٹران بم کیا ہے؟ یہ کس قسم کی تباہی پھیلاتے ہیں اور ان کو پہلے پہل کس ملک کے سائنس دانوں نے ایجاد کیا تھا؟
شجاع الدین انصاری، کراچی
ج: ہم آپ کو بتادیں کہ ایٹم بم، نیوٹران بم اور ایسے ہی دوسرے تباہ کن ہتھیار صیغۂ راز میں رہتے ہیں۔ اگر انھیں بنانے کی ترکیب عام ہوجائے تو ہر ملک بنالے۔ اس لیے ہم اتنا بتا سکتے ہیں کہ جس بنیادی ذرّے سے کسی بم کا کچھ تعلق ہوتا ہے، وہ اُسی کے نام سے مشہور ہوجاتا ہے، مثلاً ایٹم بم میں ایٹم کے پھٹنے سے تباہی پھیلتی ہے۔ نیوٹران وہ نہایت مختصر ذرّہ ہوتا ہے، جو ہمیں نظر تو نہیں آتا، لیکن اُس کا وجود ثابت ہوچکا ہے۔ اُس پر کسی قسم کا برقی بار نہیں ہوتا، نہ مثبت اور نہ منفی، یعنی وہ غیر جانب دار یا نیوٹرل ہوتا ہے۔ اسی لیے نیوٹران کہلاتا ہے۔ وہ ایٹم کے اندر اُس کے مرکزے پر موجود ہوتا ہے۔

س: نگیٹو سے جو پوزیٹو تصویر بنائی جاتی ہے اُس میں کون سا مسالا یا مواد استعمال کیا جاتا ہے؟ آفتاب حسین، کراچی
ج: نگیٹو سے پوزیٹو بنانے کے لیے پرنٹنگ پیپر یا تصویری کاغذ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کاغذ کو نگیٹو کے ساتھ ملاکر تھوڑی سی روشنی دکھائی جاتی ہے تو کاغذ پر تصویر سیدھی

آجاتی ہے۔ اس عکس کو جمانے کے لیے تصویر کو ایک محلول میں ڈالا جاتا ہے جس میں رنگوں کے مختلف کیمیکل استعمال کیے جاتے ہیں۔

س: دریائی گھوڑے کے متعلق کچھ بتائیے۔ محمد اسمٰعیل عبدالعزیز، کراچی

ج: یہ مچھلی ہی کی ایک قسم ہوتی ہے، لیکن چوں کہ اس کا منھ گھوڑے جیسا ہوتا ہے اس لیے اُسے گھوڑا کہا جانے لگا۔ یہ انسان کو کچھ نہیں کہتا بلکہ اس سے ڈرتا ہے۔ اس کی غذائیں چھوٹی مچھلیاں اور بحری خس و خاشاک شامل ہیں۔

س: اس وقت دنیا کی آبادی کتنی ہے؟ فرخ ضمیر، کراچی

ج: پانچ ارب سے زیادہ۔

س: شمسی توانائی کس عمل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے؟ سورج کے اندر توانائی پیدا ہونے کے عمل کی وضاحت کریں۔ رانا صفوت سجاد احمد حسین تبسم، بہاول نگر

ج: سورج اوسط درجے کا زرد رنگ کا ایک ستارہ ہے جو ہم سے تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی روشنی یا دھوپ میں توانائی ہوتی ہے۔ دنیا کی ساری رونق اسی کی بہ دولت ہے۔ سورج ایک بہت بڑا ایٹم بم ہے۔ اس میں ہائیڈروجن گیس بھری ہے جس کے ایٹم زبردست اندرونی دباؤ کی وجہ سے ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اس عمل میں جو توانائی حاصل ہوتی ہے وہ روشنی اور حرارت کی شکل میں ہم تک پہنچتی ہے۔

س: آنسو آنکھوں میں کس طرح بنتا ہے اور آنکھوں سے کس طرح باہر نکلتا ہے؟
فاخرہ اقبال، کراچی

ج: آنسو ہماری آنکھوں کے گوشوں میں قدرتی طور پر موجود رہتا ہے۔ جب ہم جذبات سے مغلوب ہوتے ہیں تو آنسو اندرونی دباؤ کی وجہ سے باہر نکل آتے ہیں۔

س: بارش کے دِنوں میں پیتل کا برتن کسی کھلی جگہ رکھنے سے کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں؟ عبدالرزاق انصاری، کراچی

ج: کچھ نہیں، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ پیتل کے برتنوں پر آسمانی بجلی گر جاتی ہے، لیکن اس خیال میں کچھ حقیقت نہیں ہے۔

س: چمگادڑوں کو اُڑتے ہوئے کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ کیا بہت پھُرتی میں اُڑتی ہیں؟

ایس۔ایم قمر جاوید، ملتان

ج: چمگادڑیں اُڑتی ہوئی نظر آتی تو ہیں۔ کیا آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ چمگادڑیں اُڑتے ہوئے دیکھ کیوں نہیں سکتیں۔ سوال وضاحت سے کرنا چاہیے۔

س: کیمرے کی فلم دھوپ میں رکھنے سے جل کیوں جاتی ہے؟ خالد محمود قریشی، کراچی

ج: فلم مسالے کی بنی ہوتی ہے جو زیادہ گرمی برداشت نہیں کر سکتی، اس لیے دھوپ میں زیادہ دیر رکھنے سے فلم ٹیڑھی میڑھی ہو جاتی ہے۔

س: کیا وجہ ہے کہ پٹرول کی آگ پانی سے نہیں بجھتی؟

بختیار احمد انصاری، لاڑکانہ

ج: آپ نے اکثر پانی پر تیل تیرتا دیکھا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تیل اور پٹرول پانی سے ہلکا ہوتا ہے۔ جب پٹرول کی آگ پر پانی ڈالا جاتا ہے تو پٹرول پانی کے اوپر آجاتا ہے اور جلتا رہتا ہے۔ پٹرول کی آگ بجھانے کی اچھی ترکیب یہ ہے کہ اس پر مٹی یا راکھ ڈال دی جائے تاکہ اوکسی جن جانا بند ہو جائے۔ آگ اوکسی جن کے بغیر نہیں جل سکتی۔ اسی لیے کپڑوں میں آگ لگ جائے تو اس پر کمبل ڈالتے ہیں تاکہ اوکسی جن بند ہو جائے۔

س: عنصر اور مرکب میں کیا فرق ہے؟ اکرم زخمی، خالد پرنس، کراچی

ج: عنصر سادہ اور اکیلا ہوتا ہے جب کہ مرکب دو یا دو سے زیادہ عناصر کے ملنے سے وجود میں آتا ہے۔

نونہال مصوِّر

ریحان عزیز خاں، واہ کینٹ

شازیہ گیلانی، سکھر

محمد جاوید حبیب، لاڑکانہ

اسرار الحق خان زادہ، ٹنڈو جام

عقیل احمد خان، کراچی

اخبارِ نونہال

چائے چکھنے کا ماہر

امریکا کے محکمہ فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن نے اچھی چائے درآمد کرنے سے پہلے چکھنے کے لیے ایک شخص رابرٹ ڈک کو ملازم رکھا ہوا ہے۔ وہ گزشتہ ۲۵ سال سے اپنے بروک لین آفس میں سیکڑوں قسم کی چائے چکھ رہا ہے۔ روزانہ اسے تقریباً ۱۵۰ پیالیاں چکھنی پڑتی ہیں۔ اس کی میز پر چالیس پیالیاں رکھی ہوتی ہیں اور وہ انھیں گھماتا اور چکھتا رہتا ہے۔ ۱۹۸۳ء میں اس نے ۵۰۰،۰۰۰ پاؤنڈ چائے ناقص ہو جانے کی بنا پر رَد کر دی تھی۔ وہ چائے نگلتا نہیں، لیکن کوئی چائے بہت اچھی لگے تو پی لیتا ہے۔ ڈِک کی رائے میں چائے کا وہ معیار نہیں رہا جو ہونا چاہیے۔ وہ کہتا ہے کہ اچھی چائے بنانے کے لیے بہت تیز اُبلتا ہوا پانی لے کر اس میں پتی ڈال کر تین سے چھے منٹ تک رہنے دیا جائے، یعنی جیسی چائے ہو اس کے مطابق تین سے پانچ منٹ تک، لیکن پتی ڈال کر اونٹانا نہیں چاہیے۔

مرسلہ: مونا عروج بٹ، لاہور

بی بی سی — سب سے بڑی

دنیا کا سب سے بڑا خبریں نشر کرنے والا ادارہ کون سا ہے؟ لندن کے ایک بڑے ادارے نے جو اعداد و شمار جمع کیے ہیں اُس کے مطابق آج کل "بی بی سی" دنیا کا سب

سے بڑا نشریاتی ادارہ ہے۔ بی بی سی غیر ملکوں کے لیے جو خبریں اور تبصرے نشر کرتا ہے وہ دنیا میں سب سے زیادہ سُنے جاتے ہیں۔ وائس اوف امریکا سننے والوں کی تعداد "بی بی سی" سے دو کروڑ کم ہے۔

مرسلہ: شاہد احمد شانی، فیصل آباد

سوتے میں سونے کے دانت کی چوری

جکارتا کی ایک بس میں ایک مسافر بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس کا سونے کا دانت کسی نے چُرا لیا ہے۔ اس کے چلّانے اور شور مچانے پر دوسرے مسافر بھی چونک پڑے، لیکن چور اس وقت تک غائب ہو چکا تھا۔ جکارتا کے اخباروں نے لکھا ہے کہ آج تک چوری کی ایسی عجیب و غریب واردات نہیں ہوئی۔

مرسلہ: محمد ساجد، نزد بابالا، مانسہرہ

چلتا پھرتا انسائکلو پیڈیا

یقین نہیں آتا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ امریکا کے ایک ماہرِ نفسیات کالرڈ کا ولیم سیڈ صرف چھے مہینے کی عمر میں پوری اے، بی، سی، ڈی دہرا سکتا تھا۔ چار سال کی عمر میں وہ جرمن اور فرانسیسی زبان لکھ پڑھ سکتا تھا۔ پانچ برس کا ہوا تو اُس نے ایک ایسا فارمولا ایجاد کیا، جس کی بنیاد پر بتایا جا سکتا تھا کہ ماضی میں فلاں تاریخ کو کون سا دن پڑتا تھا۔ چھے برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے پہلے اس نے یونانی زبان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ دس برس کی عمر میں وہ ایک چلتا پھرتا انسائکلو پیڈیا بن چکا تھا۔

مرسلہ: عامر محمود، راول پنڈی

قدیم ترین روٹی

ایک فرانسیسی سیاح کو عراق کے ایک علاقے سے ایک روٹی ملی ہے، جو ۴۰۰۰ سال پرانی ہے۔ یہ روٹی ۵۶۰ قبل مسیح میں پکائی گئی تھی۔ جس وقت یہ روٹی ملی نہایت اچھی حالت میں تھی اور کپڑے میں نہایت احتیاط سے لپٹی ہوئی تھی۔ گویا یہ آج سے ۲۵۴۵ سال پہلے کی روٹی ہے۔

مرسلہ: احمد ندیم قاضی، لالہ موسیٰ

بچوّں
کے لیے دل چسپ کتابیں

جاگو جگاؤ	حکیم محمد سعید	قیمت ۵/ رُپے
قصّہ اژدہا پکڑنے کا	محمود علی اسد و دیگر	" ۴/۵۰ رُپے
کھلونا نگر	غازی کمال رشدی	" ۶/۰۰ رُپے
پُراسرار غار	میرزا ادیب و دیگر	" ۴/۵۰ رُپے
ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی	علی اسد	" ۵/۰۰ رُپے
ننّھا سراغ رساں	مسعود احمد برکاتی و دیگر	" ۴/۵۰ رُپے
ابو علی کا جوتا	عبدالحمید نظامی و دیگر	" ۴/۵۰ رُپے
غذائیں دوائیں	ادارہ	" ۵/۰۰ رُپے
سنہرے اُصول	حکیم محمد سعید	" ۴/۰۰ رُپے
چند مشہور طبیب اور سائنس داں	حکیم محمد سعید و دیگر	" ۷/۰۰ رُپے
ننّھا سیاح	محمد زکریا مائل	" ۶/۰۰ رُپے
چالاک خرگوش کے کارنامے	معراج	" ۶/۰۰ رُپے
صحت کی الف بے	مسعود احمد برکاتی	" ۴/۰۰ رُپے
البیرونی کہانی اور کارنامے	خاطر غزنوی	۴/۰۰ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی

تمام اچھے بک اسٹالوں پر بھی دستیاب ہے

بادشاہ اور شہزادہ

علی اسد

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا صرف ایک بیٹا تھا۔ یہ شہزادہ لڑکپن ہی سے کھیل کود کا شیدائی تھا۔ اس کا بیش تر وقت سیر و شکار میں گزرتا تھا۔ بادشاہ کو اپنے بیٹے کا یہ طریقہ پسند نہ تھا۔ چناں چہ ایک دن اس نے اپنے وزیروں کو بلوایا اور ان سے کہا، "میں چاہتا ہوں کہ شہزادے کی شادی کر دوں۔ لہٰذا تم لوگ اس کے لیے ایک دلھن تلاش کرو۔" وزیروں نے تلاش شروع کر دی، مگر شہزادہ اسی طرح دن دن بھر شکار میں لگا رہا۔ ایک دن بادشاہ نے شہزادے سے کہا، "دیکھو اگر تم شادی نہیں کرو گے تو لوگ تمھارا مذاق اُڑائیں گے اور کہیں گے کہ تم شادی اس لیے نہیں کرتے کہ کوئی لڑکی تم کو قبول کرنا نہیں چاہتی۔ اس سے تمھاری بدنامی ہو گی۔"

اس پر شہزادہ بولا، "مگر اباجان، میں تو شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔" لہٰذا بات یہیں پر رہ گئی۔

گرمیوں میں ایک دن شہزادہ شکار سے واپس ہو رہا تھا کہ اسے بڑے زور کی پیاس لگی۔ لہٰذا وہ ایک کنویں پر رُک گیا اور جو لڑکیاں وہاں پانی بھر رہی تھیں ان میں سے ایک سے کہا، "مجھے ذرا سا پانی پلا دو۔"

اس پر وہ لڑکی بولی، "اچھا تم وہی شہزادے ہو جس کے ساتھ کوئی لڑکی شادی کرنے پر راضی نہیں ہوتی۔" یہ سُن کر شہزادہ خفا ہو گیا اور پانی پیے بغیر وہاں سے چل دیا اور یہ طے کیا کہ گھر پہنچ کر میں شادی کرنے کا اعلان کر دوں گا، لیکن میں اسی لڑکی کے ساتھ شادی کروں گا جس نے میرا مذاق اُڑایا ہے۔ قریب ہی ایک بوڑھی عورت مل گئی۔ شہزادے نے اس سے پوچھا، "وہ لڑکی کس کی بیٹی ہے؟" بڑھیا بولی، "وہ تو عاصم لوہار کی بیٹی ہے۔" شہزادے نے دل میں سوچا کہ وہ چاہے لوہار کی بیٹی ہو یا بادشاہ کی۔ میں تو اسی سے شادی کروں گا۔

شام کو شہزادے سے جب بادشاہ نے شادی کے بارے میں بات کی تو شہزادے نے اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا اور فوراً وزیروں کو بُلوا کر ان سے کہا کہ کسی شہزادی کا انتخاب کریں۔ یہ سُن کر شہزادہ بولا، "انتخاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے خود لڑکی منتخب کر لی ہے۔ میں عاصم لوہار کی بیٹی سے شادی کروں گا۔" یہ سنتے ہی بادشاہ غصّے سے کانپنے لگا اور بولا، "کیا بکتے ہو!" بادشاہ کا غصّہ ٹھنڈا کرنے کے لیے وزیروں نے کہا، "جہاں پناہ، فی الحال شہزادے کو شادی کر لینے دیجیے۔ اتنے میں ہم لوگ دوسری لڑکی تلاش کر لیں گے۔" چناں چہ بادشاہ نے حکم دیا کہ لوہار کی لڑکی کو بُلوایا جائے۔ وزیر جب لوہار کے گھر گئے تو وہ بولا، "بادشاہ نے جب مجھ سے درخواست کی ہے تو پھر مجھے یہ اختیار ہے کہ میں اس کو قبول کروں یا مسترد کر دوں۔ میں اپنی بیٹی دینے کو ہرگز تیار نہیں۔"

بادشاہ نے جب یہ جواب سُنا تو حکم دیا کہ دو مہینے کے اندر لوہار اپنی بیٹی کو ہمارے سپرد کر دے۔ اتفاق سے خود لڑکی بھی اس شادی پر راضی نہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو اس رشتے کے لائق نہیں سمجھتی تھی، لہٰذا اس نے اپنے باپ سے کہا کہ وہ بادشاہ سے التجا کرے کہ ایک سال انتظار کرے۔ یہ التجا قبول کر لی گئی۔ اِدھر لڑکی یہ سوچنے لگی کہ میں تو ایک غریب

لوہار کی بیٹی ہوں، کیا کروں کہ جب میں شہزادے کی بیوی بن جاؤں تو لوگ میری عزت کریں۔ اچھا، ایسا کیوں نہ کروں کہ بادشاہ کے وزیروں کی عقل مندی کا امتحان لے لوں۔ چناں چہ اس نے اپنے باپ سے کہا، "ہمارے باغیچے میں تربوز ابھی چھوٹے ہیں۔ میں مٹی کے برتن بناتی ہوں اور ان میں یہ تربوز رکھ دوں گی۔ پھر جب تربوز بڑے ہو جائیں گے اور برتنوں کے منھ سے باہر نہیں نکل سکیں گے تو میں بادشاہ کے وزیروں سے کہوں گی کہ وہ ان تربوزوں کو ان برتنوں کو توڑے بغیر نکال لیں۔ پھر یہ پتا چل جائے گا کہ بادشاہ اور اس کے وزیر ہم غریبوں سے زیادہ عقل مند ہیں یا نہیں۔"

چناں چہ لڑکی نے کچی مٹی کے برتن بنائے اور ان کے اندر چھوٹے چھوٹے تربوز رکھ دیے۔ پھر جب تربوز خوب بڑے ہو گئے تو اس نے دو برتنوں کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور درخواست کی کہ وزیروں کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ برتنوں کو توڑے بغیر تربوزوں کو نکال لیں۔ بادشاہ نے وزیروں کو یہی حکم دے دیا۔ وزیروں نے لاکھ کوشش کی مگر وہ یہ کام نہ کر سکے۔ انھوں نے یہ غور نہیں کیا کہ برتن کچی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ان برتنوں کو ٹھونک کر بجاتے تو ان کو فوراً معلوم ہو جاتا۔ آخر بادشاہ نے وہ برتن لوہار کی بیٹی کو واپس کر دیے اور کہلوا بھیجا کہ میری سلطنت میں ایسا کوئی عقل مند نہیں جو یہ کام انجام دے سکے۔ یہ سُن کر لڑکی بہت خوش ہو گئی اور اس نے بادشاہ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچی تو اس نے ایک گیلا کپڑا لے کر برتنوں کے اوپر منڈھ دیا اور جب مٹی خوب نم ہو گئی تو اس نے برتنوں کی گردنوں کو پھیلا کر تربوز نکال لیے اور اس کے بعد برتنوں کی گردنوں کو پھر اپنی اصلی شکل میں تنگ کر دیا۔ اس کے بعد برتنوں کو وزیروں کے سپرد کرتے ہوئے لڑکی نے کہا، "آدمی اپنے الفاظ سے پہچانا جاتا ہے اور برتن اپنی آواز سے اور جس طرح سے برتن کو ٹھونک بجا کر اس کی اصلی حالت کا پتا چلایا جاتا ہے اسی طرح میں نے آپ لوگوں کا امتحان لے کر یہ معلوم کر لیا ہے کہ آپ میں عقل کی کمی ہے، لہٰذا سال بھر جب پورا ہو جائے تو بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر دی جائے۔"

قصہ مختصر شادی ہو گئی اور جب دو تین دن گزر گئے تو ایک دن شہزادہ سویرے اُٹھا اور ایک کوڑا لے کر اپنی بیوی کو پیٹنے لگا اور بولا، "اس دن تم نے مجھے کنویں پر جو طعنہ دیا تھا اُس

یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ

آپ کی خدمت کے لئے کوشاں

پاکستان میں اور بیرون ملک بھی

۱۹۸۴ء کے مالیاتی اعداد و شمار

	روپیہ		روپیہ
سرمایہ اور محفوظات	۱,۲۷۱,۰۰۰,۰۰۰	مجموعی اثاثہ جات	۵۹,۷۸۷,۰۰۰,۰۰۰
ڈپازٹ کی رقوم	۴۴,۶۳۱,۰۰۰,۰۰۰	منافع ٹیکس	
قرضہ جات و سرمایہ کاری	۳۴,۰۳۶,۰۰۰,۰۰۰	کی ادائیگی سے قبل	۳۶۸,۰۰۰,۰۰۰

پاکستان اور بیرون ملک بینک کی ۱۶۰۰ سے زائد شاخیں کام کر رہی ہیں۔

بیرون ملک شاخوں کا نظام

ریاستہائے متحدہ امریکہ
- نیویارک

برطانیہ
- لندن منسنگ لین • لندن کرس اسٹریٹ ایسٹ ہینڈ
- لندن کنگز اسٹریٹ • برمنگھم • کارڈف
- مڈل سیکس • بریڈ • نوٹنگھم • مانچسٹر
- بریڈفورڈ • گلاسگو • ہڈرسفیلڈ • لیڈز
- اولڈہیم

متحدہ عرب امارات:
- ابوظہبی مین برانچ • ابوظہبی ایئرپورٹ روڈ
- الرقہ • العین • ڈیرہ دبی
- بار دبی • شارجہ

بحرین
- منامہ • باب البحرین • محرق

قطر
- دوحہ

جمہوریہ عرب یمن
- صنعاء

ذیلی ادارے:

- یونائیٹڈ بینک اے۔جی۔ زیورخ (سوئٹزرلینڈ)
- یونائیٹڈ بینک آف لبنان اینڈ پاکستان، ایس۔اے۔ایل، بیروت، لبنان
- یونائیٹڈ سعودی کمرشل بینک (البنک السعودی التجاری المتحدہ) ریاض، سعودی عرب
- کمرشل بینک آف عمان، مسقط، سلطنت عمان

اس کے علاوہ یو۔بی۔ایل نے غیر ممالک میں مقیم پاکستانیوں کی رقوم کی جلد از جلد ترسیل کے لئے متعدد ایکسچینج کمپنیوں کے ساتھ معقول انتظامات کر رکھے ہیں۔

یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ

آپ کی خدمت کے لئے کوشاں

manhattan PAKISTAN 85-4-B

کا یہ بدلہ ہے۔"

لڑکی بے چاری خاموشی سے یہ ظلم برداشت کر گئی۔ اس کے بعد سے ہر دوسرے تیسرے دن شہزادہ اس غریب لڑکی کو مارتا رہا۔ ایک دن جب شہزادہ مارنے چلا تو لڑکی نے کہا، "ایک غریب آدمی کی بیٹی کو مار پیٹ کر تمھاری عزت میں کیا اضافہ ہوتا ہے۔ اگر مرد ہو تو کسی بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی کرو اور پھر اس کو پیٹو۔" یہ سُن کر شہزادے کو اتنا بُرا لگا کہ اس نے کوڑا پھینک دیا اور قسم کھائی کہ اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہوں گا جب تک کسی بادشاہ کی بیٹی سے شادی نہ کر لوں گا۔

اتفاق سے پڑوسی ملک کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی جو بہت خوب صورت تھی، حالانکہ اس کے بارے میں یہ بھی مشہور تھا کہ وہ گونگی ہے۔ شہزادے نے طے کیا کہ اسی شہزادی سے شادی کرے گا۔ چناں چہ وہ ایک غلام کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا اور اپنے ساتھ قیمتی ہیرے جواہرات بھی لے گیا۔ گھوڑے پر سوار آخر وہ اس بادشاہ کے ملک میں پہنچ گیا۔ وہاں کے باشندوں سے اس نے شہزادی کے متعلق دریافت کیا تو پتا چلا کہ شہزادی

بات نہیں کر سکتی اور جو شہزادہ اس سے شادی کی درخواست کرتا ہے اس کو شہزادی کے ساتھ شطرنج کھیلنا پڑتی ہے اور اگر شہزادہ بازی ہار جاتا ہے تو اسے نہایت سخت سزا دیتی ہے۔ اس کے باوجود شہزادے نے اپنے غلام کے ذریعہ سے شادی کا پیغام بھیج دیا۔ شہزادی نے جواب دیا" تمھارے آقا کو ہماری شرائط اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں۔ اسے ہمارے ساتھ شطرنج کی تین بازیاں کھیلنا ہوں گی، اگر وہ پہلی بازی ہار گیا تو اسے اپنے گھوڑے سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور اگر دوسری بازی بھی ہار گیا تو اس کا سر میرے رحم و کرم پر ہوگا اور اگر وہ تیسری بازی بھی ہار گیا تو پھر مجھے یہ اختیار حاصل ہوگا کہ میں اس کو اپنے اصطبل میں سائیس بنا دوں۔"

شہزادے نے یہ شرائط قبول کر لیں۔ چناں چہ ڈھنڈورا پیٹ کر شہر میں اس بات کا اعلان کر دیا گیا۔ لوگوں نے جب سُنا تو بولے" لو ایک اور شہزادہ مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ جس طرح دوسرے ہار چکے ہیں اسی طرح یہ بھی ہار جائے گا۔" شہزادہ جب محل میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ شہزادی ایک قیمتی قالین پر بیٹھی ہوئی ہے اور شطرنج کی بساط اس کے سامنے رکھی ہوئی ہے۔ شہزادہ پہلی بازی ہار گیا اور دوسری اور تیسری بازی بھی ہار گیا۔ چناں چہ اسے بھی اصطبل میں گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے پہنچا دیا گیا۔

ادھر جب بہت دن گزر گئے تو لوہار کی بیٹی کو فکر ہوئی اور وہ مردانہ بھیس بدل کر ایک خوب صورت گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئی۔ کئی میل کا سفر طے کرنے کے بعد وہ ایک دریا کے کنارے پہنچی۔ وہاں وہ کشتی کے انتظار میں کھڑی تھی کہ اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک چوہا دریا میں بہتا چلا جا رہا ہے۔ ڈوبتے ہوئے چوہے نے چلّا کر کہا" خدا کے واسطے میری جان بچا لو، میری مدد کرو، میں بھی تمھاری مدد کروں گا۔" شہزادی نے دل میں سوچا کہ بھلا چوہا میری کیا مدد کر سکے گا پھر بھی میں اس کی جان بچا لوں گی، لہٰذا اس نے اپنے نیزے کی نوک کو پانی میں ڈال دیا اور چوہا اس کو پکڑ کر دریا سے نکل آیا۔ لڑکی نے اسے گھوڑے کی زین پر بٹھا لیا۔" تم کہاں جا رہے ہو؟ چوہے نے پوچھا۔

" میں گونگی شہزادی کے ملک جا رہا ہوں۔" لڑکی بولی۔ اس پر چوہا بولا" کیا فائدہ وہاں جانے کا۔ شہزادی کے پاس ایک جادو والی بلّی ہے اور اس کے سر پر ایک طلسمی

روشنی ہے جس کی وجہ سے شہزادی دوسروں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور وہ شطرنج کے مہروں کو تبدیل کر دیتی ہے، لہٰذا جو شہزادہ کھیلنے آتا ہے وہ ہار جاتا ہے۔" یہ سُن کر لوہار کی بیٹی نے چوہے سے کہا، "تم میری مدد کرو، کیوں کہ میں بھی اپنی قسمت آزمانے اس شہزادی کے پاس جا رہا ہوں۔" یہ کہنے کے بعد لوہار کی بیٹی کو خیال آیا کہ اس کا شوہر بھی اپنی قسمت آزمانے گیا ہو گا اور ہار گیا ہو گا۔ اتنے میں چوہے نے لڑکی کو غور سے دیکھا اور بولا، "تمھارے ہاتھ اور پیر تو عورتوں کے سے ہیں، مگر تمھارا لباس مردانہ ہے۔ اس لیے پہلے سچ سچ بتاؤ کہ تم مرد ہو یا عورت۔"

لڑکی نے چوہے کو اپنا پورا قصہ کہہ سُنایا اور کہا، "میں اپنے شوہر کو تلاش کرنے نکلی ہوں۔ تم میری مدد کرو۔" یہ چوہا احسان فراموش نہ تھا۔ اگر کوئی اس کے ساتھ ایک بار نیکی کرتا تو یہ دس بار اس کے کام آتا۔ چناں چہ وہ بولا، "تم مجھے اپنے لباس میں چھپا کر لے چلو اور میرے مشورے پر عمل کرو۔ خدا نے چاہا تو تم اپنی مراد حاصل کر لو گی۔" اس کے بعد چوہے نے لڑکی کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے چند ہدایات کیں اور دونوں شہر میں داخل ہو گئے۔

دوسرے دن جب لوہار کی بیٹی شہزادی کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے شہزادی سے درخواست کی کہ اسے بساط کے دوسری جانب بیٹھنے دیا جائے۔ یہ درخواست منظور ہو گئی اور اس طرح سے لڑکی اس طرف بیٹھ گئی جدھر سے طلسمی بلّی کمرے میں داخل ہوتی تھی۔ پھر بازی شروع ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں لڑکی نے دیکھا کہ وہ ہار رہی ہے، لہٰذا اس نے چوہے کو نکال لیا اور اسے اپنے ہاتھ میں پکڑے رہی۔ اتنے میں کسی جانور کے اچانک داخل ہونے کا احساس ہوا۔ دراصل یہ وہی بلّی تھی جو اُسی وقت داخل ہوتی تھی اور چوہے کو پکڑنے کے لیے جھپٹ پڑی تھی۔ اس وقت وہ اپنی مالکن کی بازی کو بھول گئی تھی۔ لوہار کی بیٹی نے ہاتھ مار دیا، حال آنکہ وہ بلّی کو دیکھ نہیں پائی۔ اِدھر بلّی کے جو ہاتھ لگا تو طلسمی روشنی فرش پر گر پڑی۔ اب بلّی اچھی طرح دکھائی دینے لگی اور چوں کہ اس کے سَر پر اچانک چپت پڑ گئی تھی اس لیے وہ سیدھی کمرے کے باہر بھاگ گئی۔ شہزادی نے جب یہ اَن ہونی باتیں دیکھیں تو وہ کانپ گئی اور بازی ہار گئی۔ وہ صرف پہلی بازی ہی نہیں بلکہ دوسری اور تیسری

بازی بھی ہار گئی۔ عین اسی وقت نقارے پر چوٹ پڑی اور شہر کے ہر شخص کو بازی کا نتیجہ معلوم ہو گیا۔ اس شہزادی کے ساتھ شادی کرنے کے لیے ایک شرط اور تھی۔ وہ یہ کہ جو شخص شادی کی خواہش کرے اس کو سورج نکلنے سے پہلے تین بار شہزادی کو بولنے پر مجبور کرنا ہو گا اور ہر بار جب وہ بولے تو نقّارے کی ضرب کے ذریعے سے ساری رعایا کو بتا دیا جائے۔ چوہے نے لوہار کی بیٹی سے کہا، "تم نے دیکھا کہ میری مدد تمھارے کام آئی۔ اب اس ضدّی شہزادی کو بولنے پر بھی آمادہ کرنا ہو گا۔ جب تم پلنگ پر لیٹ جاؤ تو مجھے چھوڑ دینا۔ میں شہزادی کے پلنگ پر چڑھ جاؤں گا۔ تم اس کو بولنے پر آمادہ کرنا۔"

چناں چہ جب شہزادی اور لوہار کی بیٹی دونوں اپنے اپنے پلنگوں پر لیٹ گئے تو لوہار کی بیٹی نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں کہا، "خوب صورت شہزادی، کیا مجھ سے بات نہیں کرو گی؟" شہزادی چپ رہی، مگر چوہا جو اس کے پلنگ کے ایک پائے پر بیٹھا ہوا تھا آواز بنا کر بول اٹھا، "عزیز شہزادے، تمھاری التجا پر تو میں ہمیشہ بولتی رہوں گی۔" شہزادی نے جو یہ سُنا تو سوچنے لگی کہ یہ شہزادہ تو غضب کا جادوگر ہے جو میرے پلنگ کے پائے سے میری آواز نکلوا رہا ہے۔ پھر غصّے سے تلملا کر لکڑی کے پائے پر چلّائی، "کل ہی صبح تجھ کو کاٹ کر جلوا دوں گی۔" اِدھر شہزادی کے منھ سے یہ الفاظ نکلے اُدھر غلام نے دوڑ کر مینار پر نقّارہ بجا دیا۔ دو تین منٹ بعد لوہار کی بیٹی نے شہزادی سے کہا، "اے حسین شہزادی، آج رات تو مجھے تمھارے محل ہی میں بسر کرنا ہے۔ لہٰذا مہربانی کر کے ایک کہانی سنا دو تا کہ مجھے نیند آجائے۔" چوہا اتنے میں پلنگ کے دوسرے پائے پر چڑھ گیا تھا۔ وہ فوراً بولا، "آپ بیتی سناؤں یا جگ بیتی؟" لڑکی بولی، "بہترین کہانی وہ ہے جس میں آپ بیتی بھی شامل ہو اور جگ بیتی بھی ہو۔" اس پر چوہا بولا، "اچھی بات ہے لو سنو۔ کسی شہر میں ایک ڈاکو رہتا تھا۔ ایک بار وہ اپنی بیوی کو گھر پر چھوڑ کر دوسرے ملک چلا گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی کے پاس ایک چور آیا۔ اب خوب غور سے سنو اور دیکھو سو نہ جانا۔ اس چور نے اس طرح مکر و فریب سے کام لیا کہ ڈاکو کی بیوی اس کو اپنا شوہر سمجھ بیٹھی اور اسے گھر میں بُلا لیا۔ آخر ڈاکو واپس آگیا۔ وہاں اس نے چور کو دیکھا تو وہ بڑا چکرایا۔ بہر حال وہ سلام کر کے گھر میں داخل ہونے لگا۔ اس پر چور چلّایا، "تم کون ہو؟" ڈاکو بولا، "یہ میرا

گھر ہے۔ میری بیوی یہاں رہتی ہے۔"

چور بولا، "نہیں، یہ تمھاری بیوی نہیں بلکہ میری بیوی ہے۔ میں پولیس کو بلاتا ہوں۔"
یہ سُن کر ڈاکو حیران رہ گیا۔ وہ بولا، "بیوی، کیا تم مجھ کو نہیں جانتیں۔ میں تمھارا شوہر ہوں۔"
عورت بولی، "کیا بکتے ہو۔ یہ ہے میرا شوہر۔ میں نے تو تم کو کبھی دیکھا بھی نہیں۔"

ڈاکو نے وہ رات کہیں اور بسر کی۔ صبح کو محلّے کے تمام لوگوں نے ڈاکو کی آؤ بھگت کی اور اس کی بیوی سے کہا، "تم کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یہ ہے تمھارا شوہر وہ دوسرا آدمی نہیں ہے۔" اس کے بعد تو پھر دونوں میں خوب لڑائی شروع ہو گئی۔ محلّے والے دونوں کو قاضی کے پاس لے جانے لگے۔ اتنے میں عورت بولی، "میں اس شخص کی بیوی ہوں جو سب سے زیادہ رُپیہ گھر لائے۔" اس پر چور نے ڈاکو سے کہا، "تم کون ہو اور کیا کرتے ہو؟" اس نے جواب دیا، "میں ایک ڈاکو ہوں۔ مگر تم کون ہو؟" چور بولا، "میں ایک چور ہوں۔"

چور اس عورت کو چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا بولا، "سنو، ہم دونوں مقابلہ کریں اور اپنا اپنا ہنر دکھائیں۔ میں ایک چور اور دغا باز ہوں۔ اگر تم ڈاکا ڈال کر میری دغا بازی سے زیادہ کام یاب رہتے ہو تو یہ عورت تمھاری ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو پھر یہ میری ہے۔"

اس کے بعد چور نے نہایت عمدہ لباس کرائے پر لیا اور ایک پالکی میں بیٹھ کر شہر پہنچا اور خود کو ایک دولت مند سوداگر ظاہر کیا۔ پھر وہ ایک جوہری کی دُکان پر پہنچا اور اس سے کہا، "تمھارے پاس موتی ہیں؟"

"جی ہاں،" جوہری بولا۔

"جو بہترین ہوں وہ دکھاؤ۔" چور بولا۔ جوہری فوراً ایک خوب صورت ڈبّا لے آیا، جسے چور نے کھولا تو دیکھا کہ موتیوں کی کئی لڑیاں اس میں رکھی ہوئی ہیں۔ چور ان کو دیکھنے لگا پھر واپس کرتے ہوئے بولا، "میں اس سے بہتر موتی چاہتا ہوں۔ کیا اور نہیں ہیں؟" اس پر جوہری تین چار ڈبّے اور لے آیا۔ چور نے ان میں سے ایک کھولا اور موتیوں کا معائنہ کرتے کرتے نہایت صفائی سے جوہری کی نظر بچا کر موتی کی دو لڑیاں توڑ لیں اور انھیں اپنی آستین

ENGLISH
BISCUIT

الف سے انگلش ب سے بسکٹ
پہلی غذا انگلش بسکٹ

میں چھپالیا۔ پھر پوچھا، "تمھارے پاس اس طرح کے کتنے ڈبّے ہیں؟"

"کل سات ہیں۔" جوہری نے جواب دیا۔

"اچھا، میں تم کو مطلع کروں گا۔" چور بولا اور سیدھا بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا، "کہو سوداگر۔ ہمارے شہر میں تمھارا کاروبار کیسا رہا؟"

چور بولا، "بادشاہ سلامت! میرے سات ڈبّے موتیوں کے چوری ہو گئے ہیں اور مجھے جو اطلاع ملی ہے اس کے لحاظ سے وہ ایک جوہری کے پاس ہیں۔"

بادشاہ نے فوراً چور کے ساتھ سپاہی کر دیے۔ دُکان پہنچ کر چور نے اس ڈبّے کی طرف اشارہ کیا، جس میں سے اس نے موتی چُرائے تھے اور سپاہی سے کہا، "میرے تمام ڈبّے اسی طرح کے ہیں۔" سپاہی نے وہ ڈبّا لے لیا اور جوہری کو لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ چور نے بادشاہ سے کہا، "یہ ڈبّا میرا ہے۔" لیکن جوہری نے کہا، "جی نہیں، یہ میرا ہے۔" اس پر چور نے کہا، "اگر یہ تمھارا ہے تو بادشاہ کو بتاؤ کہ اس میں موتی کی لڑیاں کتنی ہیں۔"

"اس میں سو ہیں۔" جوہری بولا۔

"نہیں، نہیں۔" چور نے کہا، "سو نہیں بلکہ اٹھانوے ہیں۔"

بادشاہ نے حکم دیا کہ لڑیاں گِنی جائیں۔ جب لڑیاں گِنی گئیں تو چور سچّا ثابت ہوا۔ پھر چور بولا، "میرے موتیوں کے تمام ڈبّے چوری ہو گئے ہیں اور وہ اُس جوہری کے پاس ہیں۔ اگر یہ ڈبّا میرا نہ ہوتا تو میں کیسے بتاتا کہ اس میں کتنی لڑیاں ہیں؟" بادشاہ نے کہا، "ہاں واقعی یہ ڈبّا تمھارا ہے؟" چناں چہ بادشاہ نے حکم دیا کہ دوسرے ڈبّے بھی چور کو دے دیے جائیں اور جوہری کو جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔

ڈاکو نے چور کی تمام کارستانی دیکھی۔ وہ حیران تھا کہ اس کا جواب کس طرح دے۔ بہرحال دونوں عورت کے گھر گئے اور اس کو یہ واقعہ سنایا۔ چور بولا، "اور یہ بھی سُن لو کہ جس عقل مند نے چور کو موتی دلوا دیے وہی اس شہزادی کا باپ ہے۔"

یہ کہانی سُن کر شہزادی کو اتنا غصّہ آیا کہ وہ چیخ پڑی، "صبح کو پلنگ کا یہ پایہ بھی کاٹ کر جلا دیا جائے گا!" ادھر شہزادی کے منھ سے یہ الفاظ نکلے اِدھر نقارے پر دوبارہ چوٹ پڑی۔ تمام لوگوں نے اسے سُن لیا۔ کچھ دیر سکوت رہا۔ پھر لوہار کی بیٹی نے شہزادی

سے کہا "خوب صورت شہزادی، تم نے بڑی عمدہ کہانی سنائی، لیکن ابھی رات بہت باقی ہے لہٰذا ایک کہانی اور سناؤ۔"

چوہا اب پلنگ کے تیسرے پائے پر جا پہنچا تھا۔ وہ بولا، "اب میں وہ کہانی سناتا ہوں جو میں نے اپنے کانوں سے سُنی اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ میری پچھلی کہانی چور کے بارے میں تھی۔ اب میں تم کو ڈاکو کی مہم کے بارے میں سناتا ہوں۔"

دوسرے دن ڈاکو نے چور سے کہا، "اب میری باری ہے۔ تم بالکل خاموش رہنا، کیوں کہ میں بھی خاموش رہا تھا۔ چور راضی ہو گیا اور دونوں اسی شہر میں پہنچ گئے۔ ڈاکو اپنے دماغ پر زور ڈالتا رہا۔ وہ سوچنے لگا کہ ایسی ترکیب نکالی جائے کہ چور کو گرفتار کر لیا جائے اور جو کچھ اس نے چُرایا ہے وہ مجھ کو مل جائے۔" اس نے پتا چلایا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ محل کی چھت پر سوتا ہے۔ محل دریا کے کنارے تھا۔ ڈاکو نے چور سے کہا، "تم میرے ساتھ رہنا اور خاموشی سے یہ سب دیکھتے رہنا۔" پھر ڈاکو لوہے کی میخیں لے کر محل پہنچا اور میخوں کو دیوار میں گاڑ کر ان کے ذریعے سے اوپر چڑھ گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ بادشاہ سو رہا ہے اور ایک سپاہی چوکی داری کر رہا ہے۔ ڈاکو نے موقع پا کر سپاہی کو مار ڈالا اور اس کی لاش دریا میں پھینک دی اور اس کی بندوق لے کر پہرہ دینے لگا۔ چور بیٹھا دُور سے یہ دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد بادشاہ جاگا اور بولا، "سنتری!"

"حاضر ہوں جناب۔" ڈاکو بولا۔

"میرے قریب آؤ، بیٹھ جاؤ اور ایک کہانی سناؤ۔"

لہٰذا ڈاکو بادشاہ کے قریب بیٹھ گیا اور جوہری اور چور والی کہانی سنا دی۔

چور یہ کہانی سُن کر کلپنے لگا۔ پھر ڈاکو یہ قصہ چھوڑ کر خود اپنا قصہ سنانے لگا اور یہ بتایا کہ کس طرح وہ محل کی چھت پر چڑھا۔ بادشاہ بولا،

"غضب خدا کا! تم کون ہو؟"

ڈاکو بولا، "حضور گھبرائیں نہیں۔ میں ایک ڈاکو ہوں۔"

"اور میرا سپاہی کہاں ہے؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"میں نے ابھی اس کی لاش دریا میں پھینکی ہے۔" ڈاکو بولا۔ یہ سن کر بادشاہ خوف زدہ

ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ ڈاکو میری بھی جان لے سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا، لہٰذا یہ اچھا آدمی ہو گا۔ اس خیال سے بادشاہ کو سکون ملا۔ اس نے کہا، "میرے قریب آؤ۔" ڈاکو بولا، "لیکن میں آپ کو ایک چور کی کہانی سُنا رہا تھا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ شخص جو اب آپ کے پیچھے کھڑا ہوا ہے وہی چور ہے اور جوہری بے قصور ہے۔" یہ کہہ کر ڈاکو نے چور کا کان پکڑ کر بادشاہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔

چوں کہ صبح ہو رہی تھی، لہٰذا بادشاہ کے دوسرے ملازم آگئے اور چور کو پکڑ کر لے گئے اور جوہری کو آزاد کر دیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ موتیوں کو ڈاکو اور جوہری کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیا جائے اور چور کو توپ سے اُڑا دیا جائے۔ اس کے بعد ڈاکو خوشی خوشی اپنے گھر آیا اور اپنے گھر پر قبضہ کر لیا۔

اب چوہا بولا، "یہ بھی بتاتا چلوں کہ جس عقل مند نے ڈاکو کو دوسرے کا مال دلوا دیا وہی اس شہزادی کا باپ ہے۔" یہ سُن کر شہزادی اور بھی غصّے ہو گئی اور چلائی:

"صبح کو میں اس کو بھی جلوا دوں گی!" اس کے ساتھ ہی نقارے پر چوٹ پڑی اور لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کل شہزادی کی شادی ہو جائے گی۔ اس کے بعد چوہا چلا گیا اور لوہار کی بیٹی سو گئی۔ صبح کو لوہار کی بیٹی سیدھی اصطبل گئی۔ وہاں اس نے دیکھا کہ اس کا شوہر گھوڑے کی مالش کر رہا ہے۔ پھر لوہار کی بیٹی کی شادی شہزادی سے ہو گئی۔ بعد میں دولھا نے دلھن سے کہا، "تمام دشواریوں کے باوجود میں نے تم کو حاصل کر لیا ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ چھے مہینے تک تم میرے کمرے میں نہ آنا۔" پھر لوہار کی بیٹی نے بادشاہ سے کہہ کر ان تمام شہزادوں کو رہائی دلوا دی جو اصطبل میں کام کر رہے تھے۔ صرف لوہار کی بیٹی کا شوہر رہ گیا۔

چند روز بعد لوہار کی بیٹی نے بادشاہ سے کہا، "مجھے چند دِنوں کے لیے اپنے عزیزوں سے ملنے کی اجازت دے دیجیے۔" بادشاہ راضی ہو گیا۔ پھر وہ اپنے شوہر کو سائیس کے طور پر ساتھ لے کر روانہ ہو گئی۔ شہزادے نے جب دیکھا کہ وہ تو اپنے ہی ملک میں داخل ہو رہا ہے تو بڑا پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اگر لوہار کی بیٹی مجھے اس حالت میں دیکھ لے گی تو بڑا بُرا ہو گا۔ جب یہ لوگ شہر کے قریب پہنچ گئے تو لوہار کی بیٹی نے شہزادے سے

کہا، "مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے اور اس کے لیے بھیس بدلنا ہے لہٰذا تم مجھے اپنے کپڑے دے دو اور تم میرے کپڑے پہن کر میری جگہ لے لو۔ تم یہاں ایک مہینے تک انتظار کرنا۔ ہماری ملاقات بہت جلد ہو گی۔" چناں چہ شہزادے نے کپڑے تبدیل کر لیے۔ لوہار کی بیٹی نے شہزادے کے پھٹے پرانے کپڑے ایک نوکر کے ذریعے سے منگوا لیے اور انھیں ایک بکس میں بند کر دیا۔ پھر رات کی تاریکی میں وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ چند روز بعد شہزادہ سوچنے لگا کہ یہ شہزادہ مجھے ایک ماہ تک ٹھیرنے کے لیے کہہ کر چلا گیا ہے اور شہزادی بھی یہاں ہے۔ میرے والد کا شہر قریب ہے۔ تو پھر ایسا کیوں نہ کروں کہ شہزادی کو لے کر میں چلا جاؤں اور کہوں کہ میں اس کو جیت لایا ہوں۔ چناں چہ وہ روانہ ہو گیا اور بڑی شان سے اپنے وطن واپس آ گیا۔ لوگ خوشیاں منانے لگے کہ شہزادہ اس مشہور گونگی شہزادی کو بیاہ لایا ہے۔

دوسرے دن شہزادے نے لوہار کے پاس حکم بھیجا کہ وہ اپنی بیٹی کو محل روانہ کر دے۔ جب وہ آ گئی تو شہزادہ بولا، "تم مجھ کو طعنہ دیتی تھیں، دیکھو میں شہزادی کو جیت لایا ہوں۔"

لوہار کی بیٹی نے پوچھا، "کیا تم شہزادی کو جیت لائے ہو؟"

وہ بولا، "ہاں۔"

"نہیں، نہیں، میں اس کو جیت لائی ہوں۔" لڑکی نے کہا۔ پھر اس نے تالی بجائی تو ایک نوکر وہ بکس لے آیا جس میں شہزادے کے پھٹے پرانے کپڑے تھے۔ لڑکی نے بکس کھولا اور اس میں سے شہزادے کا لباس نکالا اور اسے دکھا کر شہزادے سے کہا "یہ لباس کس کا ہے؟ میرا یا تمھارا؟"

یہ دیکھ کر شہزادہ شرمندہ ہو گیا۔ پھر ہکلا کر بولا، "یہ لباس میرا ہے۔"

لڑکی نے کہا، "تو پھر شہزادی کو کون جیت لایا۔ تم یا میں؟"

شہزادہ بولا، "تم۔"

اس پر لڑکی نے کہا، "جب تم اور تمھارے والد کے وزیر مٹی کے برتنوں کا راز دریافت نہیں کر سکے تو پھر بھلا تم اس گونگی شہزادی کو کیسے جیت سکتے تھے، لیکن خیر، جاؤ اور اس گونگی لڑکی سے شادی کر لو، پھر ہم سب لوگ مل کر رہیں اور ہنسی خوشی زندگی گزاریں گے۔

سلسلہ ۲۳۲

معلوماتِ عامّہ

اس بار بھی سوالات کی تعداد بارہ ہے۔ دس یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ تصویریں نہ ہوئیں تو ان کے نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵۔ اگست ۱۹۸۵ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے کاغذ پر نیچے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر کے نیچے بھی اپنا نام اور شہر یا گاؤں کا نام صاف صاف لکھیے۔ نام پتا جوابات کے پیچھے نہیں نیچے لکھیے۔ پتا لفافے پر بھی نہ لکھیے۔

۱۔ کیا قرآن حکیم میں کوئی ایسی سورت ہے جس میں حرف م نہیں آیا۔ سورت کا نام بتائیے۔

۲۔ بادشاہ جہانگیر کا نام سلیم کس بزرگ کے نام پر رکھا گیا تھا؟

۳۔ مشہور افسانہ نگار شاعر اور صحافی جناب احمد ندیم قاسمی کا اصل نام کیا ہے؟

۴۔ مشہور شاعر اختر شیرانی اردو کے بہت بڑے محقق تھے۔ نام بتائیے؟

۵۔ "سورج ایک سیارہ ہے" آپ اس بیان کو صحیح سمجھتے ہیں نا؟

۶۔ بتائیے لون کا سال (لیپ ایئر) کسے کہتے ہیں۔

۷۔ پاکستان کا سب سے بڑا شہری اعزاز کون سا ہے؟

۸۔ بتائیے نوبیل انعامات کا آغاز کس سنہ میں شروع ہوا؟

۹۔ اصلاح الدین بین الاقوامی ٹورنامنٹ سے کس سنہ میں ریٹائر ہوئے؟

۱۰۔ "پربشر گکر" اردو کا ایک مشہور ناول ہے، مصنف کا نام بتائیے۔

۱۱۔ جاپان میں پہلا ایٹم بم کب پھینکا گیا تھا؟

۱۲۔ سورج چاند سے کتنے گُنا بڑا ہے۔

صحت مند نونہال

زاہد بلوچ، کراچی

عمرین یوسف، کراچی

ایاز احمد، ڈیرہ غازی خان

سید زاہد حسین، کوٹ غلام محمد

امام بخش شاہد، گوادر

انعام بھٹی، شہداد کوٹ

انوار نواب

ارم خان، کراچی

سہانا آصف، راولپنڈی

نوشین قریشی، لانڈھی

محمد سہیل، حیدرآباد

سید منصور احمد، کراچی

مستقیم معین، کراچی

ریاض بیگ، کراچی

محمد اسحاق انصاری

نوشاد علی تبسم، کراچی

ذوالفقار علی شاہ، ٹھٹھہ

اعجاز احمد، ڈیرہ اسماعیل خاں

محمد فاروق احمد صدیقی، کراچی

آسیہ ملک، کراچی

امینہ، کراچی

شبانہ ناز، کراچی

عدنان سرور گوندل، ملتان

جمیل احمد اعوان، ٹنڈو محمد خان

ناہید ناز، کراچی

وجاہت حسین، کراچی

نسیم پرویز، کراچی

محمد اشفاق ندیم، کراچی

محمد کاشف ملک، ٹنڈو الہ یار

سید کاظم رضا جعفری، کراچی

مگر فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ

صافی

ہمدرد

سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

مُسکراتے رہو

□ ایک زبردست جھگڑالو بیوی اپنے شوہر پر برس رہی تھی۔ وہ بے چارہ مسکین صورت بنائے ہوئے چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ بیوی بولے جا رہی تھی، "بزدل کہیں کے۔ تم انسان ہو کہ چوہے؟"

شوہر عاجزی سے گڑگڑایا، "بیگم! میں انسان ہوں چوہا ہوتا تو تم اس وقت تھر تھر کانپ رہی ہوتیں۔"

□ ایک وکیل صاحب نے اپنی تصویر بنوائی تصویر میں وہ کھڑے تھے اور ہاتھ پتلون کی جیبوں میں تھے۔ وکیل صاحب تصویر اپنے دوست کو دکھا کر پوچھنے لگے، "کہو کیسی ہے؟"

دوست نے کہا، "بالکل غلط!"

"کیا مطلب؟"

"دوست بولا، "وکیل کے ہاتھ دوسروں کی جیبوں میں ہوتے ہیں، اپنی جیبوں میں نہیں۔"

□ دو لڑکے ایک بھاری بکس کو کھینچ رہے تھے۔ جب زور لگاتے لگاتے تھک گئے اور ہانپنے لگے تو ایک نے کہا، "چلو چھوڑو، ہم اسے باہر نہیں نکال سکیں گے۔"

دوسرا بولا، "ارے اسے باہر لے جانا ہے، میں سمجھ رہا تھا اسے اندر لے جانا ہے۔"

مرسلہ: محمد شاہد سلطان، کراچی

□ جن بوتل میں سے نکلتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا حکم ہے میرے آقا؟

آقا: پیارے جن، مجھے گلبرگ میں کوٹھی دلا دو۔

جن: ارے بے وقوف! اگر گلبرگ میں کوٹھی مل سکتی تو میں بوتل میں کیوں زندگی گزارتا؟

مرسلہ: پرنس افضل شاہین، بہاول نگر

□ سارجنٹ: "تمھاری نئی وردی تمھارے جسم پر فٹ ہے؟"

رنگروٹ: "جناب، جیکٹ تو ٹھیک ہے، لیکن پتلون سینے پر سے کچھ ڈھیلی ہے۔"

□ "نام؟" امیگریشن افسر نے پوچھا۔

"زکام!" چینی شخص نے جواب دیا۔
آفیسر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا، "کیا یہ تمھارا چینی نام ہے؟"
"نہیں، یہ میرے نام کا ترجمہ ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔
"تم مجھے اپنا اصل نام بتاؤ۔" آفیسر نے سختی سے کہا۔
"آچھو!" فوراً جواب ملا۔
مرسلہ: محمد آصف انصاری، ناظم آباد

◘ ایک گلوکار موسیقی کی ایک محفل میں گانا سُنا رہا تھا۔ جب وہ گانا ختم کرتا تو سامعین وہی گانا دوبارہ سُنانے کی فرمائش کرتے۔ ایک ہی گانا بار بار سنانے سے گلوکار تنگ آگیا۔ اور اس نے بیزاری کے لہجے میں پوچھا، "آخر ایسی کون سی بات ہے کہ آپ مجھ سے ایک ہی گانا بار بار سُننا چاہتے ہیں؟"
سامعین میں سے ایک صاحب بولے، "جب تک آپ یہ گانا صحیح طریقے سے نہیں سنائیں گے اُس وقت تک ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔"

◘ ایک بس میں ایک جیب کترا سفر کر رہا تھا۔ اس نے ایک مسافر کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو مسافر نے ہاتھ پکڑ کر غصّے سے کہا، "یہ کیا کر رہے ہو؟" جیب کترے نے مسکراتے ہوئے کہا، "ماچس ڈھونڈ رہا ہوں۔"
مسافر نے جھلا کر کہا، "کیا تم مانگ نہیں سکتے؟"
جیب کترے نے اطمینان سے جواب دیا، "میں اجنبیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔"
مرسلہ: عمران قادر، کراچی

◘ اسلم: دیکھو شکیل، اس ہاتھی کے دانت کتنے سفید ہیں۔
شکیل: ہاں واقعی، یہ ضرور کوئی اچھا سا منجن استعمال کرتا ہوگا۔ مرسلہ: مبین الدین شاہ، کراچی

◘ شیطانوں نے فرشتوں کو ایک دوستانہ کرکٹ میچ کھیلنے کا چیلنج بھیجا۔ فرشتوں نے کہا، "بے وقوف، مت بھولو کہ سارے کے سارے بہترین کھلاڑی ہماری جنّت میں ہیں، تمھیں شکستِ فاش ہوگی۔"
شیطان نے جواب دیا، "یہ کیوں بھول رہے ہو کہ سارے کے سارے بہترین امپائر دوزخ میں ہیں۔"
مرسلہ: ملک جاوید، سکھر

◘ ایک پروفیسر صاحب کسی شخصیت پر تقریر کر رہے تھے:
"وہ اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس نے دائیں طرف مُڑ کر دیکھا نہ بائیں طرف، بلکہ وہ آگے اور آگے ہی بڑھتا رہا۔ راستے میں دشمن بھی آئے اور دوست بھی، لیکن نہ کسی کی دوستی اسے روک سکی نہ کسی کی دشمنی۔ جس کسی نے اس کے راستے میں آنے کی کوشش کی اسے خود پچھتانا پڑا۔ خواتین و حضرات! ذرا سوچیے وہ شخص کون ہو سکتا ہے؟"
سامعین میں سے آواز آئی: "ٹیکسی ڈرائیور۔"
مرسلہ: فرحت ریاض، کراچی

دو آدمی محنت اور سرمائے پر گفت گو کر رہے تھے۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ سرمائے اور محنت کی کوئی آسان سی تشریح کر دو۔

دوسرے نے کہا، "اگر تم مجھے دو ہزار رُپے دو تو یہ تمھارا میرے پاس سرمایہ ہوگا، لیکن اگر تم رُپے واپس لینا چاہو گے تو یہ تمھاری محنت میں شمار ہوگا۔"

مرسلہ: محمد افضل، ملتان

◘ دو دوست بہت پیٹو تھے۔ وہ جس ہوٹل میں کھانا کھاتے تھے وہاں کے سارے ملازمین اُن کی بسیار خوری سے آگاہ تھے۔ ایک روز وہ ہوٹل گئے کھانا منگولیا بیرا پچیس روٹیاں لے آیا۔ اس پر ایک دوست نے سخت برہمی کا اظہار کیا اور کہا کہ تم نے ہمیں اتنا پیٹو سمجھ رکھا ہے۔ لے جاؤ ایک روٹی واپس۔

مرسلہ: ثوبیہ نثار طالب جوجائی، کراچی

◘ باپ: جانتے ہو بیٹا، سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔

بیٹا: مگر اباجان، میں تو نہیں ہوں۔

مرسلہ: آصف علی رانا، ملانڈھی

◘ ملازم نے مالک سے کہا، "جناب، مجھے ایک ہفتے کی چھٹی چاہیے، میری چچازاد بہن کی شادی ہو رہی ہے۔"

مالک نے کہا، "چچیری بہن کی شادی کے لیے ایک ہفتے کی چھٹی بہت زیادہ ہے۔"

"بات یہ ہے جناب کہ اس شادی میں میں اس کے دولھا کی حیثیت سے شرکت کروں گا۔" مرسلہ: ثریا عبدالقادر، نواب شاہ

◘ جج: (ملزم سے) تم پر الزام ہے کہ تم نے مرغیاں چُرائیں، مگر تمھارا وکیل کہاں ہے؟

ملزم: حضور، میرا کوئی وکیل نہیں ہے۔ وکیل ہوتا تو آدھی مرغیاں اسے دینی پڑتیں۔

◘ بیٹا اپنے باپ سے کہنے لگا کہ ابّو، میں اتنا بڑا کب ہوں گا کہ جب اپنے ہر معاملے میں صرف اور صرف میری مرضی چلے۔

باپ نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا کہ بیٹا، ابھی تو میں بھی اتنا بڑا نہیں ہوا۔

مرسلہ: محمد آصف صدیقی، کراچی

◘ ہیڈ مسٹریس نے نیلوفر کو شاباشی دیتے ہوئے کہا، "مجھے امید نہیں تھی کہ تم جیسی کھلنڈری لڑکی امتحان میں اوّل آسکتی ہے۔ اگر تم اسی طرح محنت کرتی رہیں تو ان شاء اللہ اگلی کلاس میں بھی اوّل آؤ گی۔"

نیلوفر نے سَر جھکا کر بڑے ادب سے کہا، "جی ہاں، اگر آپ بھی اباجان کے پریس سے پرچے چھپواتیں رہیں۔"

مرسلہ: سمیرہ جعفری، سائرہ جعفری، نواب شاہ

◘ دو پاگل ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

پہلا پاگل: میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔

دوسرا پاگل: میرے گلے میں بہت درد ہو رہا ہے۔

پہلا پاگل: تم میرا سَر دبا دو، میں تمھارا گلا دبا دوں گا۔

مرسلہ: پدما جگانی، ہیر بلو رخاص

کھانسی کا حملہ
نزلہ زکام
کا دور
مناسب احتیاط اور شعالین کے بروقت استعمال سے
ان تکالیف کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔ جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ
شعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کا مفید علاج بھی ہے
اور اُن سے بچاؤ کی تدبیر بھی۔
شعالین
نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا
ہمدرد
نوزو
نک پھوار
ناک کے ورم، سوزش اور بندش کے لیے مفید۔
ایک پھوار ناک کھول دیتی ہے

بوجھو تو جانیں

شکرا شکاری پرندہ ہے۔ یہ چھوٹے پرندوں کو پکڑ کر کھاتا ہے۔ اس کی نظریں بہت تیز ہوتی ہیں۔ یہ دُور ہی سے چھوٹی چڑیوں کو دیکھ اور پہچان لیتا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جھاڑیوں میں کتنی چڑیاں ہیں؟ (اپنے جواب کو آیندہ مہینے کی تصویر سے ملائیے۔)

اس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جا رہا ہے جس سے وہ لفظ اُردو میں آیا ہے۔ یہ اِشارے اس طرح لکھے ہوں گے:

ع = عربی ، ف = فارسی ، ہ = ہندی ، س = سنسکرت ، ت = ترکی ، انگ = انگریزی ، ا = اردو

تحقیق: (ع) تَح قِیق : حقیقت معلوم کرنا، تلاش، حقیقت کا کھوج کرنا۔

منعکس: (ع) مُن عَ کِس : عکس قبول کرنے والا، الٹا، اوندھا۔

جذب: (ع) جَذْ ب : کشش، کھینچنا، چوسنا

سیّارہ: (ع) سَی یا رَ ہ : گردش کرنے والا ستارہ، سیر کرنے والا۔ جو فلکی جسم حرکت کرتے ہیں اُن کو سیّارہ کہتے ہیں اور جو اپنی جگہ قائم ہیں اُن کو ستارہ کہتے ہیں۔

چسکا: (ہ) چَس کا : چاٹ، مزہ، شوق

معزز: (ع) مُ عَز زَ ز : باعزت، قابلِ عزت، عزت والا۔

حاذق: (ع) حا ذِ ق : تجربے کار، جس طبیب کو بہت تجربہ ہو اس کو بھی کہتے ہیں۔

آزار: (ف) آ زا ر : تکلیف، دُکھ۔

محصور: (ع) مَح صُور : گھرا ہوا۔

بُردبار: (ف) بُر دْ با ر : برداشت کرنے والا، حلیم۔

انشا: (ع) اِن شا : مضمون، عبارت، طرزِ تحریر۔

خودکار: (ف) خُدْ کا ر : خود بہ خود کام کرنے والا، مشین۔

انکسار: (ع) اِن کِ سار : عاجزی، فروتنی۔

بلند و پست: (ف) بُلَنْدْ و پَسْت : اونچا اور نیچا۔

مسند: (ع) مَس نَدْ : گدی، تخت، تکیہ لگا کر بیٹھنے کی جگہ۔

خامی: (ف) خا می : نقص، کمی، ناتجربہ کاری۔

تعظیم: (ع) تَع ظِیم : بڑا جاننا، بزرگ ماننا، بزرگی، عزّت۔

فانی: (ع) فا نی : فنا ہونے والی۔

عظیم الشان: (ع) عَظی مُش شان : بڑا، بڑی شان والا۔

تودا: (ف) تُو دَ ا : انبار، ڈھیر۔

تصادم: (ع) تَ صا دُم : آپس میں ٹکرا جانا، باہم ٹکرانا۔

عفریت: (ع) عِف رِیت : دیو، بھوت۔

تپش: (ف) تَ پِش : بے قراری، گرمی، حرارت، جلن۔

کدورت: (ع) کُدُو رَت : رنج، غبار آلود ہونا، دل کا غبار۔

عاری: (ع) عا رِ ی : ننگا، خالی۔

نونہال ادیب

بعض نونہال دوسرے شاعروں کی نظم نقل کر کے بھیج دیتے ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ ہم ایک ترکیب بتاتے ہیں۔ جو نظم آپ کو پسند آئے، اس کو نقل کر کے ہمیں بھیج دیجیے، لیکن جس شاعر کی نظم ہے اس کا نام اور جس رسالے یا کتاب سے نقل کی ہے اس کا نام بھی لکھ دیجیے۔ ہم آپ کا نام بھی لفظ مرسلہ کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اس طرح آپ کی بدنامی بھی نہیں ہو گی، لیکن زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ آپ خود لکھنے کی کوشش کریں۔

حمد

مرسلہ: نادیہ محمد امین

سبھی کچھ خدا کا بنایا ہوا ہے
یہ گلشن اسی کا لگایا ہوا ہے
یہ خوش رنگ پھل پھول اور یہ نظارے
یہ دن اور سورج یہ چاند اور تارے
یہ آگ اور مٹی ہوا اور پانی
سبھی کچھ خدا کی ہے مہربانی
ہر اک شے پہ میرے خدا کی نظر ہے
وہ سب جانتا ہے اسے سب خبر ہے

نعت

مرسلہ: رانا احسان سہیل، زنڈہ محمد پناہ

مجھ کو حاصل ہے ہر خوشی تم سے
بن گئی میری زندگی تم سے
میں تو گُم کردہ راہ تھا آقا
راہِ منزل مجھے ملی تم سے
تم نے فوراً اُسے نوازا ہے
التجا جب کسی نے کی تم سے
یہ حقیقت ہے ایک عالم کو
بھیک ملتی ہے آج بھی تم سے

ایک گونگے کا پیغام

سید فرحت حسین فرحت، کراچی

آج میں ایک گونگے لڑکے سے ملا اور اُسے قلم و کاغذ دیتے ہوئے کہا کہ جو کچھ تمھارے دل میں ہے، اس کاغذ پر رقم کر دو۔ اپنے دل کی ہر.... ہر..... بات لکھ دو، تاکہ ہم بولنے والے تمھارے احساسات سمجھ سکیں۔ میری یہ بات اسے پسند آئی اور اس نے لکھنا شروع کیا۔

میں گونگا ہوں، بول نہیں سکتا، صرف سُن سکتا ہوں لیکن نہ بولنے کے بہت فائدے ہیں، مثلاً یہ کہ میں کسی کی بُرائی نہیں کرتا، کسی کو اپنی زبان سے تکلیف نہیں پہنچاتا اور نہ اپنی زبان سے کسی بڑے کے سامنے بدتمیزی یا بدتہذیبی کرتا ہوں۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ جماعت میں لڑکے شور کرتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے انھیں سخت سزا ملتی ہے، مگر میں نہ بول سکتا ہوں اور نہ کوئی شرارت کرتا ہوں۔ اکثر شریر لڑکے اپنی زبان سے میری طرف طنز کے زہر آلود تیر پھینکتے ہیں، اگر مجھ میں خود اعتمادی نہ ہوتی تو میرا دل ان تیروں سے کب کا چھلنی ہو جاتا اور میں اس احساس کے ساتھ کہ بول نہیں سکتا کب کا ان زبان والوں کی دنیا میں مر چکا ہوتا۔ یہ خود اعتمادی میرے اللہ نے پیدا کی ہے، جس کی وجہ سے میں اپنے گونگے پن میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتا۔ اگر میں زبان سے بول نہیں سکتا تو کیا ہوا، میرا دل اور میری آنکھیں تو بولتی ہیں، جو بات میں زبان پر لانے سے قاصر ہوتا ہوں وہ میری آنکھیں عیاں کر دیتی ہیں۔ جو خواہش ہوتی ہے وہ دل کہہ دیتا ہے۔ بس یہ آنکھیں اور دل ہی تو ہیں میرے پاس جو میرے اندر سے بولتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ گونگے معصوم ہوتے ہیں۔ کسی کی غیبت نہیں کرتے۔ کسی کو بلاوجہ نہیں ستاتے اور چُپ چاپ تماشا دیکھتے ہیں۔ بات بالکل درست ہے۔ جب ہمارے منھ میں زہر جیسی زبان نہیں ہوگی تو ہم زہر کیا خاک اُگلیں گے۔ زبان ہی انسان کو عظیم بناتی ہے اور زبان ہی ذلیل و خوار کرتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ رسوا بھی خوب کر دیتی ہے۔ اگر انسان اپنی زبان اچھی رکھے گا اور خاص طور پر اپنی "ماں" سے زندگی بھر اخلاق سے پیش آتا رہے گا تو وہ جنّت میں داخل ہو جائے گا اور جو اپنی ماں سے اور دوسرے لوگوں سے بداخلاقی سے پیش آتا رہے گا وہ جہنّم میں داخل ہوگا۔

آپ نے یہ مثل تو سُنی ہوگی کہ "زبان ذہن کا ترجمان ہے"۔ اس مختصر سے جملے میں دنیا کی تمام تلخی سمٹ آئی ہے۔ یعنی انسان اپنی زبان سے اس حد تک گر جاتا ہے کہ اس کے لیے دوبارہ اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جو آدمی مسلسل بولے جاتا ہے وہ باتونی کہلاتا ہے اور لوگ اُسے بے وقوف کہتے ہیں اور ٹھیک کہتے ہیں۔ زبان کے سلسلے میں ایک مشہور کہانی یاد آرہی ہے کہ ایک دفعہ مالک نے نوکر سے کہا کہ گائے کی زبان پکا کر لاؤ۔ نوکر نے زبان

کو دو مختلف طریقوں سے پکایا۔ پہلی دفعہ انتہائی کڑوی، دوسری دفعہ انتہائی لذیذ اور مزے دار۔ مالک نے وجہ پوچھی تو نوکر نے کہا کہ حضور، پہلی والی وہ زبان ہے جو دوسروں کو تکلیف دیتی ہے اور زہر کا سا کام کرتی ہے۔ اسی کڑوی زبان سے لوگوں کے دلوں کو گہرے زخم لگتے ہیں اور یہی وہ زبان ہے جو دوسروں کو دھوکا دیتی ہے۔ اور فریب میں مبتلا کرتی ہے۔ اور حضور، یہ وہ زبان ہے جو لوگوں کے دلوں پر مرہم کا سا کام کرتی ہے۔

خوش اخلاقی بڑی دولت ہے اور اخلاق سے پیش آنا ایسا ہی ہے جیسا کسی کا دل جیتنا۔

تو یہ تھی وہ مختصر کہانی، جس کا خلاصہ میں نے پیش کیا۔ اگر آپ اپنی زبان سے ایسے الفاظ ادا کریں جو دوسروں کے لیے راحت اور سکون کا کام کرتے ہوں تو آپ کی بڑی عزّت ہو گی۔ آپ زبان والے اگر اپنی زبان قابو میں رکھیں تو پھر یہ دنیا جنّت بن جائے گی۔ پھولوں کا حسین و خوب صورت گہوارہ کہلائے گی۔ میری التجا ہے ان زبان والوں سے جو اپنے منھ میں گز گز بھر کی زبانیں رکھتے ہیں اور جو ہر وقت قینچی کی طرح چلتی رہتی ہیں کہ کسی کے سامنے اپنی بڑائی بیان نہ کریں، بلکہ اپنی زبان سے دلوں کو گرمائیں تاکہ دوسرا شخص آپ کی زبان اور اخلاق سے آپ کا گرویدہ ہو جائے۔ امید ہے کہ زبان رکھنے والے حضرات میری درخواست پر عمل کریں گے۔

یہاں تک لکھنے کے بعد گونگے نے قلم اور کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ کہہ رہا ہو کہ میرا یہ پیغام زبان والوں تک ضرور پہنچانا۔ اور میں نے دل کی گہرائی اور زبان کی سچائی کے ساتھ کہا، "میں تمھارا یہ پیغام زبان والوں تک ضرور پہنچاؤں گا۔"

جگنو

مرسلہ: سید مشتاق احمد شاہ، کنرانی

اُڑتا کبھی — مُڑتا کبھی
چمکا اِدھر — دمکا اُدھر
جگنو مِرا
رُکتا کبھی — چلتا کبھی
بجھتا کبھی — جلتا کبھی
جگنو مِرا
اس شاخ پر — اُس طاق پر
رکھتا ہوا — روشن دیا
جگنو مِرا

خواب جس نے دنیا کو ہلا دیا

زاہدہ قادری، لاڑکانہ

اخبار "بوسٹن گلوب" کے خبروں کی دھوبی کے کمرے میں نصب شدہ گھنٹے میں رات کے تین بج رہے تھے۔ اخبار کا رپورٹر بائرن سام اچانک نیند سے ہڑبڑا

کہ اٹھا اس نے اپنے سر کو جھٹکا دیا، تاکہ وہ اس خواب کے اثر کو زائل کر سکے جو ابھی ابھی اس نے دیکھا تھا۔

جب اسے یقین ہو گیا کہ جو کچھ اس نے دیکھا تھا محض خواب تھا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ اسے ان لوگوں کی آہ و پکار اب بھی سنائی دے رہی تھی جو سمندر کے کھولتے ہوئے پانی میں دھکیلے جا رہے تھے۔ اسے وہ تمام منظر اس طرح دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ ہوا میں معلق ہو گیا ہو۔ پگھلا ہوا لاوا اور چٹانیں پہاڑ کے پہلو میں واقع کھیتوں اور گاؤں کے لوگوں کے سروں پر اُڑ رہا تھا۔ آتش فشاں پہاڑ کے ایک زبردست دھماکے نے جزیرہ پیرالیپ کو ہوا میں اچھال دیا تھا۔ سام اخبار بوسٹن گلوب کے دفتر میں بیٹھا خواب کے متعلق گہرے خیالات میں غرق تھا۔ اس نے سوچا کیوں نہ اس خواب کو بہ طور ریکارڈ محفوظ کیا جائے۔ چناں چہ اس نے پنسل اٹھا کر خواب کی تفصیلات لکھنا شروع کر دیں۔ باٹرن سام نے کاغذ کے اوپر "بہت ضروری" کے الفاظ بھی لکھ دیے اور اسے اپنی میز پر چھوڑ دیا۔ اگلی صبح یہ کاغذ اخبار کے ایڈیٹر کو ملا۔ اس نے سوچا کہ یہ کوئی ایسی چیز یا خبر ہے جو تار کے ذریعے سے موصول ہوئی ہے اور باٹرن سام نے اس کی توجہ کے لیے اس پر "بہت ضروری" کے الفاظ لکھے ہیں۔ ایڈیٹر نے جلد از جلد یہ خبر اخبار کے سامنے والے صفحے پر دو کالمی سرخی کے ساتھ شائع کی۔ اس خبر نے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اخبار بوسٹن دھڑا دھڑ فروخت ہو رہا تھا، کیوں کہ یہ خبر صرف اس کے اخبار نے شائع کی تھی۔ ایڈیٹر نے یہ خبر ایسوسی ایٹڈ پریس کے حوالے کی جس نے اسے ساری دنیا میں پھیلا دیا۔

۲۹۔ اگست ۱۸۸۳ء کو دنیا کے تمام اخباروں کی اہم ترین خبر یہی تھی، لیکن یہ خبر بوسٹن گلوب کے لیے دردِ سر بھی بن گئی، کیوں کہ کئی اخباروں نے اس خبر کی مزید تفصیلات مانگی تھیں جو ایڈیٹر کے پاس موجود نہیں تھیں۔ جاوا کے جزیرے سے براہِ راست رابطہ بھی قائم نہیں تھا۔

اسی شام بوسٹن گلوب اخبار کا ایڈیٹر باٹرن سام سے ملا، جس نے نہایت شرمساری سے بتایا کہ وہ سنسنی خیز خبر دراصل ایک خواب تھا۔ واس لائبریری نے بتایا کہ جاوا کے نزدیک پیرالیپ نامی کوئی جزیرہ نہیں ہے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کو اپنی جان بچانی مشکل ہو گئی اس نے ایک اعلا سطح کی کانفرنس طلب کی جس میں اس تکلیف دہ صورتِ حال سے نمٹنے اور کوئی قدم اٹھانے کے معاملے پر غور کیا گیا۔ اخبار بوسٹن گلوب نے اس خبر کی تردید کرنے اور معافی مانگنے کا فیصلہ کر لیا۔

ابھی اخبار بوسٹن گلوب نے تردید شائع نہیں کی تھی کہ امریکا کے ساحل پر ایک جہاز لنگر انداز ہوا، جس نے حیرت انگیز واقعات بیان کیے۔ اس نے بتایا کہ جاوا کے نزدیک "آبنائے سنڈا" میں کراکاٹوا کا جزیرہ آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے سمندر میں غائب ہو گیا ہے۔ اور جزیرے کے تمام باشندے ہلاک ہو گئے ہیں۔ جوں ہی یہ خبر ملی اخبار بوسٹن گلوب نے پچھلی خبر کی تردید کرنے

اور معافی نامہ شائع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کراما ٹوا کے حالات ۲۷۔ اگست سے ہی خراب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اور یہ جزیرہ ۲۸۔ اگست کو اس وقت ڈوب گیا جب باٹن سام اپنے دفتر میں لیٹا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس جزیرے کے غائب ہونے کو ایک عظیم حادثہ قرار دیا گیا۔ آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے جو دھماکہ ہوا تھا وہ ساری دنیا کے زلزلہ پیما آلات پر رکارڈ کیا گیا۔

لیکن باٹن سام کو تو خواب میں پیرالیپ کا جزیرہ نظر آیا تھا، جب کہ ڈوبنے والے جزیرے کا نام "کراما ٹوا" تھا۔ کراما ٹوا اور پیرالیپ کے ناموں میں کئی سال تک اختلاف رہا۔ حتیٰ کہ ڈچ آسٹری سوسائٹی نے ایک نقشہ دکھایا جس میں کراما ٹوا کا پرانا نام پیرالیپ ہی درج تھا۔ ان کے خیال میں اس جزیرے کا یہ نام گزشتہ ۱۵۰ سالوں سے متروک تھا۔

ہمارا معاشرہ

شازیہ ستار، لاہور

ہمارے معاشرے میں طرح طرح کی برائیاں جنم لے چکی ہیں، جن میں سے ایک برائی یہ ہے کہ نئی نسل بزرگوں اور استادوں کا احترام نہیں کرتی۔ اساتذہ کا احترام تو ان کے دل میں بالکل نہیں ہے۔ ہمارے بڑے بوڑھے یہ کہتے ہیں کہ جب ہم بچے تھے تو اپنے بزرگوں اور اساتذہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ آج کی نئی نسل کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے، لیکن نئی نسل کے بعض نمائندے یہ کہتے ہیں کہ اساتذہ کا احترام نہ کرنے کی بڑی وجہ ہمارے بزرگ اور والدین ہیں۔ ظاہر ہے نئی نسل خدا کے گھر سے تو نافرمانی اور بدتمیزی کرنا نہیں سیکھ کر آئی تھی۔ یہ سب نئی نسل نے اپنے بڑوں سے سیکھا ہے۔ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ بڑے بوڑھے نئی نسل کی صحیح راہ نمائی کرنے کے بجائے تنقید کرتے ہیں۔ وہ یہ ماننے پر تیار نہیں ہوتے کہ آج کے معاشرے میں جو برائیاں پائی جاتی ہیں اُس کے ذمے دار وہ خود ہیں۔

میں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ آج کل کے بچے اساتذہ کا احترام کیوں نہیں کرتے۔ حال آنکہ استاد ایک قابلِ احترام ہستی ہے۔ ہمارے معاشرے کا ایک ستون ہے۔ اس کے بغیر ملک کی ترقی ناممکن ہے۔ میرے خیال میں اس کے زیادہ تر ذمے دار خود اساتذہ اور نئی نسل کے والدین ہیں۔ کیا واقعی اساتذہ نے خود نئی نسل کے دِل سے اپنا احترام مٹا دیا ہے؟ یہ دیکھنے کے لیے یہ واقعہ پیشِ خدمت ہے۔

ایک طالبِ علم ایک بہت خوب صورت ٹائی پن لگا کر کالج گیا۔ اس کے پروفیسر نے یہ ٹائی پن دیکھی تو اسے بہت پسند آئی اور اس نے ٹائی پن طالبِ علم سے مانگ لی۔ آپ خود سوچیے طالبِ علم کے دل میں استاد کا کیا احترام رہا ہوگا۔ اس طرح ایک استاد نے ایک شاگرد کے دل سے اپنے لیے احترام ختم کر ڈالا۔

اساتذہ کا احترام نہ کرنے کی ایک اور وجہ والدین بھی ہیں۔ وہ نئی نسل پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آج کل کے اساتذہ نالائق ہیں۔ انھیں کچھ نہیں آتا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے اساتذہ بہت لائق ہوتے تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ بچّے کے دل میں استاد کا احترام پیدا نہیں ہوتا۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ آج کل کے اساتذہ نے اُن کے زمانے کے اساتذہ سے ہی تعلیم حاصل کی ہے۔

میں اپنے وطن کے بڑے بوڑھوں سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ نئی نسل پر تنقید کرنے کے بجائے ان کی صحیح راہ نمائی کریں تاکہ نئی نسل کے بچّے اچھے شہری بن سکیں اور ہمارا معاشرہ برائیوں سے پاک ہو جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ میں نئی نسل کو یہ بھی کہوں گی کہ سب استاد ایسے نہیں ہوتے جیسے اوپر والے واقعے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مخلص اور خود دار استاد بھی موجود ہیں۔ اس لیے نونہال دل سے اپنے اساتذہ کا احترام کریں اور بڑے ہو کر اپنی ذمے داریاں اچھی طرح نبھائیں۔ آج کے بچّے کل کے بڑے ہیں۔ ہمارے وطن کے معمار ہیں۔ نئی نسل کو چاہیے کہ وہ معاشرے میں پیدا شدہ برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرے، تاکہ ہمارے بعد آنے والی نسلوں کو اچھا ماحول ملے اور وہ اس اچھے ماحول سے اچھا معاشرہ قائم کریں۔

سائنس اور مسلمان

رفیق احمد بونیری، کراچی

شاید ہی دنیا کا کوئی علم ایسا ہو جسے مسلمانوں نے حاصل نہ کیا ہو اور اس میں مہارت حاصل نہ کی ہو اور اس میدان میں کارنامے انجام نہ دیے ہوں۔ اسی طرح سائنس کے میدان میں مسلمانوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ گو کہ آج اہلِ یورپ کا دعوا ہے کہ سائنس کی تمام تر ترقی میں صرف ان کا حصّہ ہے مگر اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تجرباتی سائنس کی بنیاد مسلمانوں نے ہی رکھی ہے اور اس کا اعتراف آج کی ترقی یافتہ دنیا نے بھی کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک انگریز مصنف اپنی کتاب میکنگ آوف ہیومینٹی میں لکھتا ہے:

"مسلمان عربوں نے سائنس کے شعبے میں جو کردار ادا کیا وہ حیرت انگیز دریافتوں یا انقلابی نظریات تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کی ترقی یافتہ سائنس عرب ثقافت کا مرہونِ منّت ہے۔"

ایک دوسرا انگریز مصنف جان ولیم ڈریپر اپنی کتاب "یورپ کی ذہنی ترقی" میں لکھتا ہے کہ مسلمان عربوں نے سائنس کے میدان میں جو ایجادات و اختراعات کیں وہ بعد میں یورپ کی ذہنی اور مادی ترقی کا باعث بنیں۔

آٹھویں صدی عیسوی سے بارھویں صدی عیسوی تک مسلمان سائنس پر چھائے رہے۔ جس وقت مسلمان سائنس میں نئے نئے ایجادات اور انکشافات کر رہے تھے اُس وقت سارا یورپ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان کے سب سے بڑے پادری کا کہنا تھا کہ جہالت تقویٰ کی ماں ہے۔ یہ مسلمانوں کا زرّیں دور تھا۔ اس دَور میں الخوارزمی، رازی، ابن الہیثم، الزاہراوی، ابنِ سینا، البیرونی، مسعودی، عمر خیام، جابر بن حیان اور فارابی جیسے سائنس دان پیدا ہوئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ دنیا ابھی تک البیرونی جیسی شخصیت پیش نہیں کر سکی، تو غلط نہ ہوگا۔ جو بہ یک وقت ماہرِ طبیعیات بھی ہو اور ماہرِ لسانیات بھی، ماہرِ ریاضیات بھی ہو اور ماہرِ ارضیات بھی، ہیئت داں بھی ہو اور جغرافیہ داں بھی، ادیب بھی ہو اور طبیب بھی، محقّق بھی ہو اور مورّخ بھی، شاعر بھی ہو اور کیمیا داں بھی اور منطق و فلسفے کا ماہر بھی۔ البیرونی قدرتی علوم Natural Science کے بہت بڑے ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے زمین کا نصف قطر معلوم کیا۔ البیرونی کے حساب میں اور آج کی جدید پیمائش میں صرف ۱۵ کلو میٹر کا فرق ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے زمین کا محیط ناپنے کے لیے ایک بہت ہی سادہ فارمولا پیش کیا۔ انھوں نے زمین کی عمر بھی معلوم کی۔ یہ وہی ہے جو آج صحیح تسلیم کی جاتی ہے۔ مختلف علوم پر البیرونی نے ایک سو اسی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں سے اب تک سو کتابوں کا سراغ لگایا گیا ہے۔ البیرونی نے یہ بھی ثابت کیا کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے زیادہ ہوتی ہے۔ فلکیات پر البیرونی نے کئی کتابیں تحریر کیں اور اس پر زبردست تحقیق کی۔ اس موضوع پر ان کی سب سے مشہور کتاب "قانون المسعودی فی الہیت والنجوم" ہے۔ اسی لیے دنیا آج بھی البیرونی کو بابائے فلکیات کے نام سے یاد کرتی ہے۔

بوعلی سینا فلسفہ اور طب میں مشرق و مغرب کے امام مانے جاتے ہیں۔ ابنِ سینا کی کتاب القانون فی الطب صدیوں تک یورپ کی یونی ورسٹیوں میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی تھی۔ بارھویں صدی عیسوی سے سترھویں صدی عیسوی تک القانون کو طبی راہ نما کی حیثیت حاصل رہی۔ بوعلی سینا کے بارے میں پروفیسر براؤن کا کہنا ہے کہ جرمنی کی درس گاہوں میں آج بھی بوعلی سینا کی کاوشوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ بوعلی سینا نے روشنی کے متعلق بھی نظریہ پیش کیا جو آج بھی تقریباً صحیح مانا جاتا ہے۔ حرنیر نامی آلہ بھی انھی کی ایجاد ہے جو آج بھی استعمال ہو رہا ہے۔ بوعلی سینا نے کتاب "الشفا" بھی تصنیف کی۔ اس میں کیمیا، موسیقی، حیاتیات، طبیعیات، اور فلسفہ پر مضامین ہیں۔ الشفا کو طبی انجیل بھی کہتے ہیں۔ ابنِ سینا نے تقریباً سو کے قریب تصانیف چھوڑی ہیں۔ بوعلی سینا اور محمد بن زکریا الرازی کی تصاویر اب بھی پیرس یونی ورسٹی کے شعبۂ طب میں آویزاں ہیں۔

ساری دنیا آج بھی جابر بن حیان کو بابائے کیمیا مانتی ہے۔ جابر نے شورے، گندھک اور نمک کا تیزاب ایجاد کیا۔ واٹر پروف اور فائر پروف کاغذ بھی جابر بن حیان کی ایجاد ہیں۔ جابر بن حیان نے ماء الملوک (AQUA RAJIA) بھی ایجاد کیا جس میں سونا اور چاندی حل ہو جاتے ہیں۔ کیمیائی آلات میں "قرع انبیق" بھی ایجاد کی ہے، جسے آج کل ریٹارٹ کہتے ہیں اور یہ اب بھی تجربہ گاہوں میں کشید وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

روشنی پر دنیا کی سب سے پہلی جامع کتاب "المناظر" ابن الہیثم نے لکھی۔ پن ہول کیمرے کا اصول بھی پہلے انھوں نے دریافت کیا۔ ابن الہیثم کو بطلیموس ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ انعکاس و انعطاف کے قوانین کی وضاحت کی۔ شفاف، نیم شفاف اور غیر شفاف اجسام ضو افشاں اور بے نور اجسام اور کروی آئینوں کی وضاحت کی اور روشنی کو توانائی کی ایک قسم بتایا۔ روشنی پر انھی بلند پایہ تحقیقات کی بنا پر بابائے بصریات کہلاتے ہیں۔

مشہور مسلمان ماہر فلکیات، ریاضی داں اور شاعر عمر خیام نے "التاریخ الجلالی" کے نام سے ایک ایسا کیلنڈر بنایا جو آج کل کے رائج گریگورین کیلنڈر سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ عمر خیام کے کیلنڈر میں ۳۷۷۰ سال میں جا کر ایک دن کا فرق پڑتا ہے۔ جب کہ گریگورین کیلنڈر میں ۳۳۳۰ سال میں ایک دن کا فرق پڑتا ہے۔ انھوں نے مکعبی مساواتوں کی تیرہ مختلف شکلیں بھی دریافت کیں۔ "پہاڑوں کی تشکیل پانی میں ہوئی"، یہ مشہور نظریہ عمر خیام کا پیش کردہ ہے۔

ابو القاسم الزہراوی آج بھی جراحت کے امام مانے جاتے ہیں۔ ان کی سب سے مشہور کتاب "التصریف" ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے زخم کو ٹانکا لگانے، مثانے سے پتھری نکالنے اور جسم کے مختلف حصوں کی چیر پھاڑ کے متعلق بتایا۔ یہ کتاب کئی صدیوں تک یورپ کی طبی یونی ورسٹیوں میں بہ طور نصاب پڑھائی گئی۔ زہراوی کے متعلق ایک یورپی مصنف لکھتا ہے کہ یورپ کے ان تمام سرجنوں کا جو چودھویں صدی کے بعد گزرے، زاہراوی کی تصانیف پر دارومدار تھا۔

ابو جعفر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے فلکیات، ریاضی اور جغرافیہ میں نام پیدا کیا۔ گنتی کا موجودہ رسم الخط ایجاد کیا اور گنتی میں صفر کا استعمال سب سے پہلے انھوں نے کیا۔ الجبرے کا علم معلوم کیا اور مثلث ایجاد کی۔ الجبرے پر ان کی مشہور کتاب حساب الجبر والمقابلہ اٹھارویں صدی تک یورپ کی یونی ورسٹیوں میں بہ طور نصاب مانے پڑھائی جاتی تھی۔

موسیقی میں ابتدائی سائنسی تحقیق ابو نصر محمد فارابی نے کی۔ اسے معلم ثانی اور ارسطوئے دوم بھی کہتے ہیں۔ فارابی نے موسیقی کا ایک ایسا آلہ ایجاد کیا، جس کی نظیر پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ اس بارے میں علامہ ابنِ خلقان نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شاہ حمدان سیف الدولہ کی مجلس

میں اس آلے کو بجانا شروع کر دیا تو دربار میں موجود لوگ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ جب فارابی نے ساز بدل کر دوبارہ بجایا تو اہلِ دربار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اور جب پھر ساز بدل کر بجایا تو سب میٹھی نیند سو گئے۔

رفتہ رفتہ مسلمانوں کا زوال شروع ہوا اور اہلِ یورپ سائنس میں ترقی کرتے گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے جو ایجادات و اختراعات کیں وہ ہمارے علمی فقدان کی وجہ سے اہلِ یورپ سے منسوب ہو گئی ہیں۔ مثلاً جیسا کہ عام طور پر چیچک کے ٹیکے کا موجد ایڈورڈ جینر کو سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اسے سب سے پہلے ابو بکر محمد بن زکریا الرازی نے ایجاد کیا۔ رازی دنیا کے پہلے طبیب تھے جنھوں نے چیچک اور خسرہ پر مکمل تحقیقات کیں اور چیچک کا ٹیکا ایجاد کیا۔ اس کا اعتراف انسائکلو پیڈیا برٹینیکا میں بھی موجود ہے۔

تھارنٹن نے بندوق ۱۸۱۱ء میں ایجاد کی جب کہ اس سے کئی سو سال پہلے میر فتح علی شیرازی نے بندوق ایجاد کر لی تھی۔ انھوں نے ایک ایسی بندوق بھی بنائی جس سے پے در پے بارہ آوازیں نکلتی ہیں۔

گیلیلیو سے بہت پہلے ابن یونس نے پنڈولم کا اصول ایجاد کر لیا تھا۔ اسی طرح گیلیلیو سے کئی صدیاں قبل ابوالحسن نامی مسلمان سائنس داں نے دُور بین ایجاد کر لی تھی۔

"انسانی جسم میں خون گردش کرتا ہے" یہ نظریہ سب سے پہلے ابن النفیس نے پیش کیا۔ جب کہ تین صدیاں گزرنے کے بعد ولیم ہاروے نے اسے ۱۶۱۶ء میں دوبارہ دریافت کیا۔

بیٹری سیل کا موجد عام طور پر وولٹا کو مانا جاتا ہے۔ جب کہ اس کا اصل موجد الکیتان ہے۔ ان کی ایجاد کردہ بیٹری حال ہی میں دریافت ہوئی ہے اور اس بیٹری کو بغداد کے سائنسی عجائب گھر میں رکھا گیا ہے۔

مستقبل

مرسلہ: حمیرا شائق، حیدر آباد

وہ دن آئیں گے
نئی کرنیں لائیں گے
کون سا سال ہو گا
استقبال ہو گا
ایسے اچھے دنوں کا
ایسے سہانے لمحوں کا
اب منزل دُور نہیں
اپنا ساحل دُور نہیں
دیے جلیں گے جگمگائیں گے
جو منزل تک ہمیں
لے جائیں گے
پہنچائیں گے

۱۴۔ اگست

عمران کیانی، جہلم

۱۴۔ اگست کا دن ہماری آزادی کا دن ہے۔ ہمارے قومی وقار کی سربلندی کا دن ہے۔ یہی وہ دن ہے کہ جب ہمیں ایک آزاد ملک ملا۔ علامہ اقبال کے خواب کو قائداعظم نے عملی جامہ پہنایا اور پوری دنیا کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ مسلمانوں میں آزادی اپنی پوری آب و تاب سے زندہ ہے۔

قیامِ پاکستان اسی اتحاد، عمل اور جذبۂ آزادی کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ ہمیں بہت سی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود ہماری ترقی کی رفتار خدا کے فضل و کرم سے قابلِ فخر رہی۔ وہ ملک جس کے بارے میں ہمارا دشمن ہمسایہ ملک بھارت سمجھتا تھا کہ چھ ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکے گا۔ نہ صرف قائم ہے بلکہ ترقی کر رہا ہے۔ دنیا میں اسے بلند اور معزز مقام حاصل ہے۔ اس موقع پر جس قدر خوشی منائی جائے کم ہے۔ ہمیں اس مبارک تقریب پر اپنے عظیم رہنما قائداعظم کا فرمان نہیں بھولنا چاہیے:

"متحد ہو کر رہیے۔ قوم کی مجموعی بہبود کی خاطر اگر دکھ تکلیفیں پیش آئیں تو انھیں صبر سے برداشت کریں۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی قوم اور مملکت کی فلاح کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف، قربانی اور مشقت کو نہ محسوس کریں۔ صرف اس طریقے سے آپ پاکستان کو دنیا کی سب سے بڑی مملکت بنا سکتے ہیں، نہ صرف آبادی کے لحاظ سے جو اب بھی ہے، بلکہ طاقت کے لحاظ سے بھی، تاکہ دنیا کی تمام قوتیں اس کی عزت کریں۔"

آزادی کی جدوجہد

رحمن اللہ خان، ٹنڈو محمد خان

آج اگست کی چودہ تاریخ ہے۔ اس یادگار دن برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی آزادی کا چمن لہلہایا۔ ان کی برسوں کی محنت رنگ لائی اور دیرینہ خواہشوں اور تمنّاؤں کا سورج پاکستان کے روپ میں دنیا کے اُفق پر طلوع ہوا تھا۔ ہمارے بزرگوں نے اس ملک کے بنانے کی تاریخ اپنے لہو سے رقم کی ہے۔ بے شمار قربانیاں دے کر اس پاک وطن کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ کتنے بے گناہ اور معصوم چہروں نے اپنے ہی لہو میں غسل کیا، کیسے کیسے ناز و نعم میں پلے ہوئے لوگ خانہ بدوش بن کر دربدر بھٹکتے پھرتے تھے۔

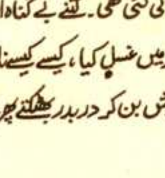

انگریز جو کہ سات سمندر پار سے تاجروں کے روپ میں ہندستان آئے تھے۔ انھوں نے جب ہندستان کی زرخیز اور سونا اُگلتی ہوئی سرزمین دیکھی تو اُن کی رال ٹپکنے لگی۔ انگریزوں نے تحفے تحائف دے کر ہندستان کے حکمرانوں کو خوش کر دیا اور ان کے دربار تک رسائی حاصل کی، پھر آہستہ آہستہ تقریباً پورے ہندستان پر قابض

ہو گئے۔ چوں کہ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے وہ مسلمانوں کو ہر طرح سے دباتے رہتے تاکہ انھیں انگریزوں سے ٹکرانے کا حوصلہ نہ ہو۔

مگر انگریزوں کے خلاف نفرت کا لاوا ان کے دل میں اندر اندر پکتا رہا۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کا ظلم و ستم اتنا بڑھا کہ مسلمانوں کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور اُن کے سینوں میں برسوں سے کھولتا ہوا لاوا ایک دم بغاوت کی صورت میں پھٹ پڑا۔ نہتے اور کم زور مسلمانوں نے ہر ممکن طریقے سے انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصّہ لیا۔ مسلمانوں کے پاس اسلحہ نہ تھا نہ پیٹ میں روٹی تھی، نہ تن پر کپڑا اور نہ اُن کی پشت پر کوئی بڑی طاقت تھی۔ ایسے میں شکست لازمی تھی۔ جنگِ آزادی میں ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک تھے، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ شکست ہمارا مقدر بن چکی ہے تو بغاوت کا سارا الزام مسلمانوں پر ڈال کر خود الگ ہو گئے۔ جنگِ آزادی میں شکست کے بعد مسلمانوں کی رہی سہی ساکھ بھی خاک میں مل گئی۔ مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ گلی گلی، محلّے محلّے میدانِ کارزار کا نمونہ پیش کرنے لگے۔ مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا۔ انگریز تاتاریوں کو "درندے" کہتے ہیں۔ تاتاری قوم تو تہذیب کے لفظ سے ناآشنا تھی، مگر انگریز تو تہذیب یافتہ اور تعلیم یافتہ قوم تھی۔ پھر بھی وہ مسلمانوں کے گھر میں گھستے اور خون کے چھینٹے اُڑاتے ہوئے گزر جاتے۔ مختصر یہ کہ آزادی کے پروانوں پر جو کچھ گزری اُسے صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے ہوئے قلم کا سینہ پھٹتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل اتنا تاریک ہو چکا تھا کہ روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی۔ اِن کی ذلّت و رسوائی اور پریشانیوں کا سلسلہ کبھی ختم ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ ایسے آڑے وقت میں سرسید احمد خان، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خان اور ان جیسے بہت سے رہنما میدانِ عمل میں آئے۔ انھوں نے مسلمانوں میں زندہ رہنے کا شعور پیدا کیا، آزادی کی تڑپ پیدا کی اور ناامیدی اور مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے باہر نکالا۔

۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو ہمارے رہنماؤں نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے زیرِ قیادت لاہور کے جلسۂ عام میں قراردادِ پاکستان منظور کی۔ قراردادِ پاکستان تحریکِ پاکستان کی روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ قراردادِ پاکستان پر اغیار نے بڑا واویلا مچایا، لیکن مسلمانوں نے ان سب مشکلات کا ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا اور آخر ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو برِصغیر کے مسلمانوں نے قائدِ اعظم جیسے نڈر اور بے باک لیڈر کی قیادت میں پاکستان حاصل کیا۔

عزیز ساتھیو! قیامِ پاکستان کے بعد ہم نے وہ مقاصد پورے نہیں کیے جس کے لیے پاکستان حاصل کیا تھا۔ ہم قائدِ اعظم اور اپنے عظیم رہ نماؤں کی قربانیوں کو بھلا بیٹھے ہیں۔ یہ ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم نے اپنے وطنِ عزیز کا ایک ٹکڑا کھو دیا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم خود کو سنبھالیں اور سینہ سپر ہو کر

ملک کی حفاظت کریں۔

یہ بے حسی کیوں

غزالہ پروین، مانسہرہ

ابھی یہ چند دنوں کا واقعہ ہے کہ یوم آزادی کی تقریبات کے سلسلے میں ایک اسکول میں تقریب ہوئی، جس میں چند ڈرامے اور تقریروں اور ترانوں کا پروگرام تھا۔ اس پروگرام میں میں بھی شامل ہوئی مگر وہاں پر جو حال طالبات کر رہی تھیں اُسے دیکھ کر مجھے بے اختیار یہ خیال آیا کہ کیا ہم سچے پاکستانی ہیں؟ ہوا یوں کہ میرے قریب بہت ساری طالبات بیٹھی تھیں اور جس وقت سے آئی تھیں لگاتار بول رہی تھیں۔ جب پروگرام شروع ہوا تب بھی وہ اسی طرح بولتی رہیں۔ جب کوئی ڈراما ہوتا تو وہ خاموش ہو جاتیں اور جیسے ہی کوئی لڑکی پاکستان کے متعلق تقریر کرنے لگتی یہ پھر شروع ہو جاتیں۔ کئی مرتبہ ہیڈمسٹریس صاحبہ نے کہا کہ آپ شور مت کریں۔ اس طرح تقریر کرنے والی لڑکیوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے مگر مجال ہے جو وہ خاموش ہوں۔ اُلٹا وہ کہہ رہی تھیں کہ یہ تقریروں کا کیا بور پروگرام رکھا گیا ہے۔ صرف ڈرامے ہی ہوتے تو اچھا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیا انھیں پاکستان سے محبت نہیں ہے جو وہ اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں سُن سکتیں۔ کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ پاکستان ہم نے کتنی مشکلات سے حاصل کیا تھا۔ سیکڑوں مسلمان شہید ہوئے، کتنی ماؤں کے بیٹے شہید ہوئے، کتنی ہی عورتوں کے سہاگ اُجڑ گئے، بہنوں کے بھائی شہید ہو گئے مگر کون انھیں یہ احساس دلائے۔

نونہالو اٹھو

مرسلہ: خالد حسین، عارف آباد

اٹھو نیند سے نونہالو اٹھو
سویرا ہوا کاہلی چھوڑ دو
وضو کر کے جاؤ نمازیں پڑھو
ادب سے ذرا پھر تلاوت کرو
پھر اُٹھ کر وہاں سے بصد احترام
کرو اپنے ماں باپ کو تم سلام
مدد پھر انھیں گھر کے کاموں میں دو
ہمیشہ ہدایت پہ اُن کی چلو
کرو مل کے سب لوگ پھر ناشتا
نہا دھو کے مکتب کا لو راستہ
پہنچ کر وہاں دل لگا کر پڑھو
مگن اس طریقے سے دن بھر رہو

قائد اعظم کی شگفتہ مزاجی

الطاف قادری پارکھ، کراچی

قائد اعظم محمد علی جناح شگفتہ مزاج اور پُر لطف انسان تھے۔ جب ہنسنے ہنسانے پر اُتر آتے تو خوب ہنساتے رہتے۔ آپ میں ظرافت سے لطف اندوزی کا مادہ بھی عام سیاست دانوں سے کہیں زیادہ تھا۔ آپ کی

برجستہ گوئی کی وجہ سے محفل زعفران بن جاتی۔ چند ایسے واقعات جو آپ کی شگفتہ مزاجی کا زندہ ثبوت ہیں، یہاں لکھتا ہوں۔

۱۹۴۰ء کے مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں قائد اعظم تقریر کر رہے تھے کہ جلسہ گاہ کے اندر مولوی فضلِ حق جو کہ شیرِ بنگال کہلاتے تھے داخل ہوئے۔

ان کے مداحوں نے تعریفی نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ قائد اعظم نے مسکرا کر کہا، جب شیر آجائے تو میمنے کو دُبک جانا چاہیے اور فوراً کرسی پر بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب کرسی پر بیٹھ جانے کے بعد اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا، "اب شیر کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے، اس لیے میمنا پھر باہر نکل آئے۔" حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

ایک دعوت کے خاتمے پر صاحبِ خانہ کی بیگم نے آپ کے بازو پر امام ضامن باندھا، تاکہ بلائیں آپ سے دُور رہیں۔ قائد اعظم مڑ کر ڈان کے ایڈیٹر الطاف حسین سے بولے، "اب میں ڈان سے بھی محفوظ ہوں۔"

قیامِ پاکستان کے اعلان کے فوراً بعد دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں ایک ہندو نامہ نگار نے آپ سے طنزاً پوچھا، "کیا پاکستان میں ملاؤں کی حکومت ہوگی؟" قائد اعظم نے فوراً جواب دیا، "اور ہندوستان میں پنڈتوں کی حکومت ہوگی۔" اس پر تمام محفل زعفران بن گئی، کیوں کہ ہندوستان کے وزیرِ اعظم جواہر لال نہرو کے نام کے ساتھ پنڈت لکھا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک نمایاں مسلم لیگی اسٹوڈنٹ لیڈر ایک گروپ فوٹو میں شامل نہ ہوا۔ اس پر قائد اعظم نے کہا کہ یہ نوجوان کبھی لیڈر نہیں بن سکتا، کیوں کہ لیڈر لوگ فوٹو کھنچتے وقت دھکم دھکا کر کے بھی آگے آجاتے ہیں۔

۱۹۴۶ء میں قائد اعظم برطانوی کابینہ سے گفت گو کرنے کے لیے لندن پہنچے۔ اتفاق سے اس روز دھوپ نکل آئی۔ آپ نے ایئر پورٹ پر کہا، "لندن والو! میں تمھارے لیے دھوپ لایا ہوں۔"

ایک دفعہ کار کا سفر کرتے ہوئے آپ چائے پینے کے لیے ایک جگہ اُترے۔ لوگ آپ کو پہچان کر وہاں جمع ہونے لگے۔ آپ کے شریکِ سفر نے آپ کو اس طرف متوجہ کیا۔ آپ نے ہنس کر کہا، "چائے کا اُبال ہے۔"

ایک مشہور نیشنلسٹ لیڈر ڈاکٹر کچلو پہلے کانگریس میں تھے، پھر ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک مسلم لیگ کے سیکریٹری رہے۔ اس کے بعد پھر کانگریسی بن گئے۔ ۱۹۴۲ء میں جب قائد اعظم کانگریس کو ہندو جماعت ثابت کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اتفاق سے ڈاکٹر کچلو کی ملاقات قائد اعظم سے ہو گئی۔ وہ اس وقت ایک کٹر مسلم لیگی کے ساتھ تھے۔ قائد اعظم نے مسلم لیگی سے کہا، "یہ تمھارے دوست ہیں، تم ان کو مسلمان کیوں نہیں بنا لیتے۔" اس پر ڈاکٹر کچلو بھی ہنسے بغیر نہیں رہ سکے۔

تجدیدِ عہد کا دن

فرحانہ حمید، حیدرآباد

یہ ۱۴۔ اگست کا ہی دن تھا جب ہمیں سو سالہ غلامی سے نجات ملی تھی، قید و بند کی زنجیروں سے رہائی ملی تھی اور ہمارا آزاد فضاؤں میں سانس لینے کا خواب پورا ہوا تھا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کی بے مثال قربانیاں رنگ لائی تھیں جنھوں نے پاکستان کے حصول کے لیے اپنا تن، من، دھن سب کچھ قربان کر دیا۔

آزادی کی قدر و قیمت ان بہنوں سے دریافت کرو جنھوں نے اپنے بھائیوں کو مادرِ وطن پر نچھاور کر دیا۔ آزادی کی اہمیت ان افراد سے پوچھو جو یتیم ہو گئے، بے گھر ہو گئے، بے سہارا ہو گئے، مگر یہ افراد جانیں قربان کر کے اپنا مال و اسباب سب کچھ چھوڑ کر بھی خوش تھے، کیوں کہ ان کا مقصد صرف ایک خطۂ ارض حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ پاکستان کی تخلیق تو وسیع تر مفاد میں کی گئی تھی کہ ایک ایسی ریاست قائم ہو جہاں اسلامی اصولوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے، جہاں ہم رنگ، نسل اور مذہب کے بندھنوں سے آزاد ہوں، جو اسلامی تجربہ گاہ ہو اور جہاں اسلامی معاشرے کا قیام ہو۔

پاکستان تو بن گیا ہے، لیکن افسوس ہمارے بزرگوں کے تصورات اب تک پورے نہیں ہو سکے۔ ہمارے اس وطنِ عزیز میں رشوت ستانی اور چور بازاری عام ہے۔ صوبائی تعصبات اور قومیت کی تفریق سب سے نمایاں ہے۔ اسلامی معاشرے کا قیام اب تک عمل میں نہیں آسکا۔ بانیِ پاکستان تو اسے اسلامی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے، لیکن تقلیدِ یورپ اہلِ پاکستان کا شیوہ بن گئی ہے۔

چودہ اگست کا دن بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ دن تجدیدِ عہد کا دن ہے۔ اس دن ہمیں ازسرِ نو یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم پاکستان کو مکمل طور پر اسلامی ریاست بنائیں گے۔ رشوت ستانی، چور بازاری، غنڈہ گردی، ملاوٹ، ڈکیتی غرض تمام برائیوں کا قلع قمع کر دیں گے۔ پاکستان کو صوبائی اور مذہبی تعصبات سے پاک ایک اعلا ریاست بنائیں گے۔ یہاں اسلامی تہذیب و ثقافت کو دوبارہ زندہ کر دیں گے۔ اس دن ہمیں اپنے پست عزائم میں حیاتِ نو کی روح ڈالنا ہو گی۔ اس بات کا عزم کرنا ہو گا کہ ہمیں اپنے پیارے پاکستان میں اسلامی مساوات کو عام کرنا ہے اور سماجی انصاف کی بنیاد ڈالنی ہے۔

اس دن ہمیں عہد کرنا چاہیے کہ یہ سرزمین جو ہم نے لاکھوں افراد کے خون کے عوض حاصل کی ہے اس کے ذرّے ذرّے کی حفاظت کریں گے۔ دشمن کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیں گے اور وقت پڑنے پر اپنا تن، من، دھن سب کچھ اس پاک سرزمین پر نچھاور کر دیں گے، لیکن اس سرزمینِ وطن کے ایک چپّے پر بھی دشمن کی فوج کو داخل نہ ہونے دیں گے۔

آیئے عہد کریں کہ اب ہم پاکستانی ہیں، نہ سندھی، نہ بلوچی، نہ پنجابی، نہ پٹھان، نہ مہاجر، ہمیں پاکستانی

اور صرف پاکستانی کہلوانے میں فخر محسوس کرنا چاہیے۔ ہم جو کچھ محسوس کریں، جو کچھ عمل کریں اور جو قدم بھی اٹھائیں پاکستانی اور صرف پاکستانی کی حیثیت سے اور ہر نیا قدم اُٹھانے سے پہلے رُک کر ذرا یہ سوچ لیں کہ یہ ہماری پسند اور ناپسند کے زیرِ اثر ہے یا پورے پاکستان کے فائدے کے لیے؟ اگر ہر شخص یوں اپنا محاسبہ کرے گا تو پاکستان کا مستقبل نہایت روشن اور شان دار ہو جائے گا۔

اگر نئی نسل اپنی توجہ صرف اپنے ہی اوپر مرکوز کرے اور اپنی ہی خواہشات و مفادات کو پورا کرنے کی دُھن میں نہ لگی رہے بلکہ پاکستان کی فلاح و بہبود کے لیے ایک نئے عزم، نئے جذبے اور نئے حوصلے سے اُٹھ کھڑی ہو تو پاکستان ایک مستحکم اور مثالی ملک بن جائے گا، کیوں کہ نئی نسل ہی میں وہ جوش اور وہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ وہ جس کام کو کرنے کا عزم کرے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ ماضی میں نوجوان نسل کے یقینِ محکم اور عملِ پیہم کا نتیجہ قیامِ پاکستان کی شکل میں برآمد ہوا تھا اور اب ان شاء اللہ نئی نسل کی مسلسل کاوشوں کا نتیجہ پاکستان کو عظیم سے عظیم تر مملکت بنائے گا۔

ہمارا پاکستان

مرسلہ: نادیہ ساجد، کراچی

دیکھو پاکستان ہمارا
اس کا نام ہے کتنا پیارا

کرنا پاکستان کی خدمت
یہ ہے اول فرض ہمارا
پاکستان ہے کتنا پیارا

دیکھو پاکستان ہمارا
ہم سب کی آنکھوں کا تارا

پاکستان بنایا جس نے
اُجڑا دیس بسایا جس نے
اس پر ہو رحمت کا سایا

دیکھو پاکستان ہمارا
کتنا اچھا کتنا پیارا

سگرٹ پینا بڑی بات ہے

تحریر: عادل شیروانی، ناظم آباد

ابّو سگرٹ بہت پیتے ہیں اور سب لوگ ابّو کو منع کرتے ہیں کہ سگرٹ نہیں پیا کریں۔ میں بھی ابّو کو منع کرتی ہوں۔ ایک دن ابو دفتر گئے ہوئے تھے۔ ابو دفتر سگرٹ نہیں لے کر گئے تو میں نے ابو کی سگرٹ چھپا دی۔ ابّو جب گھر آئے تو انھوں نے پوچھا کہ میری سگرٹ کہاں ہے؟ تو میں نے کہا کہ وہ تو میں نے چھپا دی۔ آپ خود ڈھونڈیں۔ اگر مل گئی تو پی لیجیے گا۔ ابّو نے ڈھونڈا، نہیں ملی تو انھوں نے نئی منگالی۔ اب میں نے انھیں پرانی سگرٹ دکھادی۔ ابّو نے کہا کہ مجھے میری پرانی سگرٹ دے دو اور میں زیادہ نہیں پیا کروں گا۔ میں نے ابّو کو پرانی سگرٹ دے دی اور ابّو نے سگرٹ

پینا کم کر دی۔ اب میں اور شرارت کروں تاکہ ابو سگرٹ پینا بند کر دیں۔

انسان اور پریاں

نبیلہ ریاض رحمانی

ایک سنہرے محل میں تین پریاں رہتی تھیں۔ اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بڑی محبّت تھی۔ وہ تینوں ایک ساتھ کھاتی اور ایک ساتھ سوتی تھیں اور ایک ساتھ ہی سیر و تفریح کے لیے جاتی تھیں۔ ان کے خوب صورت محل میں عیش و عشرت کا تمام سامان موجود تھا۔ وہ جس طرح چاہتیں دل بہلاتیں۔

انھوں نے اپنے بزرگوں کی زبانی سُنا تھا کہ محل کے مشرق میں فلک بوس پہاڑ کے پیچھے انسان آباد ہیں۔ اُن کے بزرگوں نے انسانوں کے چھوٹے چھوٹے گھر اور جھونپڑیاں کئی بار دیکھی تھیں اور وہ انسانوں کے عجیب و غریب قصّے سنایا کرتے تھے۔ ایک دن تینوں پریاں باری باری جھولا جھول رہی تھیں کہ ان میں سے ایک پری نے کہا "میں نے بزرگوں کی زبانی سُنا ہے کہ پہاڑ کے اُس پار انسان رہتے ہیں۔ ہمارے بزرگ کشتیوں میں بیٹھ کر پہاڑ تک جاتے تھے اور پھر پہاڑ عبور کر کے انسانوں کی بستیوں میں پہنچ جاتے تھے۔ آج رات ہم کیوں نہ انسانوں کی بستیوں کی سیر کرنے چلیں۔"

دوسری پریوں نے اس سے اتفاق کیا اور تینوں ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئیں۔ نہر کے کنارے سر سبز اور اونچے اونچے درخت کھڑے تھے اور نہر کے شفاف پانی پر چاند کی رو پہلی کرنیں عجیب سماں پیدا کر رہی تھیں۔ خوب صورت مناظر نے پریوں کو مسحور کر دیا تھا۔ وہ سب مل کر گیت گانے لگیں اور اس طرح کشتی کا سفر طے ہو گیا۔ کشتی جب کنارے لگی تو وہ تینوں اُتر گئیں اور پہاڑ پر چڑھنے لگیں۔ وہ جلد ہی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئیں۔ انھیں چاندنی رات بہت ہی دل فریب محسوس ہوئی اور وہ قدرت کے لازوال حسن کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ مکانوں کی چھتیں، درختوں کی چوٹیاں، بے ترتیب گلی کوچے، چاندنی میں چمکتا ہوا تالاب، یہ سب مل کر پریوں کو اپنی جانب کھینچ رہے تھے۔

تینوں پریاں سنہری محل میں پریوں کی شہزادی کے ساتھ رہتی تھیں۔ انھیں اچانک یاد آیا کہ اگر شہزادی نے انھیں طلب کر لیا اور اپنی خادماؤں کو انھیں تلاش کرنے بھیج دیا تو سارا راز فاش ہو جائے گا۔ یہ سوچتے ہی تینوں پریوں نے فوراً لوٹ جانے کا فیصلہ کیا اور وہ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اُترنے لگیں اور نہایت تیزی سے کشتی کھیتی ہوئی سنہرے محل پہنچیں۔ اس دوران پریوں کی شہزادی نے سچ مچ انھیں طلب کر لیا تھا۔ وہ جب ہانپتی ہوئی شہزادی کے حضور میں حاضر ہوئیں تو ان کا راز چُھپا نہ رہا۔

شہزادی نے کہا، "سچ سچ بتاؤ، اس وقت تم تینوں کہاں سے آ رہی ہیں؟"

تینوں پریوں نے بتایا، "ہم تینوں انسانوں کی دنیا

کا منظر دیکھنے گئی تھیں، ہماری خواہش تھی کہ ہم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔"

شہزادی نے تاکید کی کہ آیندہ اس طرف کبھی نہ جانا، انسان نہایت بے رحم اور سنگ دل ہوتے ہیں۔ ان کی حرکتیں اتنی گندی ہوتی ہیں کہ انھیں دیکھنے سے بہتر ہے کہ زہر کھالیا جائے۔

تینوں پریوں نے بہ یک زبان کہا، "شہزادی سلامت! ہم نے اپنے بزرگوں کی زبانی سُنا ہے کہ انسان بہت نیک اور بہادر ہوتے ہیں۔ وہ ہماری طرح ہوا میں اُڑ سکتے ہیں، پانی کے اندر تیر سکتے ہیں اور سیکڑوں میل دُور کی باتیں سُن سکتے ہیں۔"

شہزادی نے کہا، "ٹھیک ہے، میں تمھیں انسانوں کی دنیا میں لے چلتی ہوں۔ میں ایک پوشیدہ راستہ جانتی ہوں جہاں سے ہم بہت جلد وہاں پہنچ جائیں گے۔"

وہ سب بھیس بدل کر انسانوں کی دنیا میں پہنچ گئے۔ انھوں نے وہاں دیکھا کہ دو بھائی رُپے کے سلسلے میں ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ بات آگے بڑھ گئی۔ ایک بھائی نے چاقو نکالا اور دوسرے بھائی کے پیٹ میں پیوست کر دیا۔ چند لمحوں میں دوسرا بھائی تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ تینوں پریوں سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ انھوں نے شہزادی سے کہا، "ہم انسانوں کی دوسری حرکتیں دیکھنا نہیں چاہتیں۔ یہاں سے جلد از جلد چلیے۔ ہم نے آج سے توبہ کی۔ ہم آیندہ انسانوں کی دنیا میں ہرگز نہیں آئیں گی۔"

ہمدرد نونہال، اگست ۱۹۸۵ء

لالچ بڑی بلا ہے

اسد چودھری، کراچی

کسی گاؤں میں ایک غریب آدمی رہتا تھا۔ وہ دن بھر جنگل میں پرندوں کا شکار کرتا تھا اور انھیں بیچ کر اُن پیسوں سے اپنی روزی کماتا تھا۔ ایک دن یہ جنگل میں شکار کر رہا تھا کہ ایک پرندہ اس کے ہاتھ لگا۔ شام ہو چکی تھی۔ وہ پرندے کو گھر لے آیا اور اس کو پنجرے میں بند کر دیا۔ صبح جلد اُٹھا اور سوچنے لگا کہ اس پرندے کو بیچ کر کھانے کا بندوبست کرنا چاہیے۔ جب وہ پرندے کو نکالنے لگا تو اس کی نظر ایک چمک دار چیز پر پڑی۔ اُس نے جب غور سے دیکھا تو وہ سونے کا انڈا تھا۔ شکاری نے پرندے کو پنجرے میں ڈالا اور انڈے کو لے کر بازار میں فروخت کر دیا۔ تھوڑے دنوں میں وہ مال دار ہو گیا۔ اب ہر روز پرندہ انڈا دیتا اور شکاری بیچ آتا۔ کچھ عرصے بعد اس نے سوچا کہ میں ہر روز انڈا بیچنے جاتا ہوں، کیوں نہ میں ایک ساتھ سارے انڈے پرندے کے پیٹ سے نکال لوں۔ اُس نے چھری سے پرندے کو ذبح کر دیا۔ اور جب پیٹ کاٹا تو اس میں انڈے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شکاری کو بہت افسوس ہوا اور اس نے توبہ کر لی اور کہا کہ میں لالچ میں آ گیا اور لالچ نے مجھ کو برباد کر دیا۔ لالچ ایک ایسی عادت ہے جو انسان کو فائدے کے بجائے نقصان ہی پہنچاتی ہے۔ لالچی ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔

مینارِ پاکستان

مرسلہ: عبدالرزاق انصاری، کراچی

آؤ، آؤ آج چلیں مینارِ پاکستان
دیکھیں چل کر اس کی شوکت دیکھیں اس کی شان

بنیاد جہاں رکھی تھی اپنی یہی تھا وہ میدان
پاک وطن میں کیا کیا ہو گا یہیں ہوا اعلان
آؤ آؤ آج چلیں مینارِ پاکستان

اس کے ہر پتھر پر لکھی ہے اپنی تاریخ
اک اک سیڑھی پر ملتی ہے برسوں کی تاریخ

اپنے بڑوں کے پاک لہو میں ڈوبی ہوئی تاریخ
اس خطے کے اہلِ حق کو ملا نیا عنوان
آؤ آؤ آج چلیں مینارِ پاکستان

برونائی

روبی حنیف، کراچی

نئی آزاد اسلامی مملکت برونائی کا رقبہ ۲۲۲۶ مربع میل یعنی سنگاپور سے ۱۰ گنا زیادہ ہے، لیکن اس کی آبادی کا صرف بارھواں حصّہ یعنی آبادی صرف ۲ لاکھ سترہ ہزار ہے، جن میں غیر ملکی بھی شامل ہیں۔ یہ برطانوی دولت مشترکہ میں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا، جنوبی مشرقی ایشیا کا سب سے زیادہ دولت مند اور دنیا کے چند دولت مند ترین ملکوں میں سے ایک ہے۔

یوں تو برونائی پہلی جنوری ۱۹۸۴ء کو ۹۵ سالہ برطانوی اقتدار سے مکمل طور پر آزاد ہو چکا تھا اور برطانیہ نے اقتدار سلطان کے حوالے کر دیا تھا، لیکن آزادی کی تقریبات ۲۳۔ فروری سے شروع ہوئیں۔ پاکستان برونائی کے دارالحکومت بندر سری بگوان میں ایک ریذیڈنٹ سفارت خانہ قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کوالالمپور کے پاکستانی سفیر کو برونائی میں بھی سفیر مقرر کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں برونائی نے تیل کی دریافت میں ریاست کی قسمت بدل دی۔ ۱۹۳۳ء سے تجارتی بنیادوں پر تیل نکالا جانے لگا۔ برآمدی آمدنی میں ننانوے فی صد تیل کا حصّہ ہے۔ آج کل روزانہ ۲ لاکھ ۷ ہزار بیرل تیل پیدا کیا جا رہا ہے۔ اقتصادی و معاشی طور پر یہ ریاست بے حد مستحکم ہے۔ فی کس آمدنی کا اندازہ ۲۰ ہزار امریکی ڈالر ہے۔ لوگوں کا معیارِ زندگی بہت بلند ہے۔ تمام جدید سہولتیں میسر ہیں۔ ملک کی دو تہائی آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد چینی باشندے ہیں۔ تجارت میں چینی نژاد باشندے نمایاں ہیں۔ کچھ ہندستانی اور یورپی بھی آباد ہیں۔ پچاس فی صد افراد سرکاری ملازمتوں سے وابستہ ہیں۔ برونائی میں تعلیم اور علاج معالجہ مفت ہے۔ مکان کی تعمیر کے لیے بلا تکلف قرض فراہم کیا جاتا ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمان زیادہ ہیں۔ برونائی دنیا کے اُن چند ملکوں میں سے ہے جہاں کوئی انکم ٹیکس نہیں۔ برونائی میں دو جدید قسم کی بحری بندرگاہیں ہیں۔ دارالحکومت میں ایک جدید ائیرپورٹ ہے۔ سڑکوں پر کاروں کا ہجوم رہتا ہے۔ قومی زبان ملایائی ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ہمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عمدہ عمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گُل دستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

جنوری ۱۹۸۵ء سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جارہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیجیے۔ جب بارہ کوپن ہو جائیں تو آپ احتیاط سے ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مفید و دل چسپ کتابوں میں سے ایک کتاب جو آپکو پسند ہوگی وہ بھیج دیں گے۔

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) چالاک خرگوش کے کارنامے، از معراج (۳) قصہ اژدہا پکڑنے کا، از محمود علی اسد و دیگر (۴) چند مشہور طبیب اور سائنس دان، از حکیم محمد سعید و دیگر (۵) ابو علی کا جوتا، از عبدالمجید نظامی و دیگر (۶) صحت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۷) ننھا سیاح، از محمد زکریا مائل (۸) غذائیں دوائیں، از ادارۂ ہمدرد نونہال (۹) سنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۱۰) ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی، از علی اسد (۱۱) کھلونا نگر، از غازی کمال رشدی (۱۲) ننھا سراغ رساں، از مسعود احمد برکاتی و دیگر (۱۳) پُر اسرار غار، از میرزا ادیب و دیگر

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام تمام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن جمع کر کے بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

اگست ۱۹۸۵ء

کوپن علمی تحفہ

میں ہمدرد نونہال مُستقل پڑھنے اور خریدنے والا/والی ہوں اور بارہ کوپن جمع کر کے بھیج رہا/رہی ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے مندرجہ ذیل کتاب علمی تحفے کے طور پر بھیج دیجیے۔

نام کتاب: ______________________

نام: ______________ عُمر: ______ تعلیم: ______________

پتا: ______________________

ہمدرد گھٹی

بچوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹی نومولود بچوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھٹی بچوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

بزمِ نونہال

* بوجھو تو جانے کا صحیح جواب تلاش کرنے کے لیے پرچے کا صفحہ نمبر ۸۵ دیکھا تو اس پر کوئی بھی جواب تحریر نہیں تھا بلکہ پچھلا خاکہ ہی دیا گیا تھا۔ آپ اس کی جگہ صرف سانپوں کی تعداد لکھتے تو اچھا تھا۔

ساجد کمالوی، کمالیہ

* اس ماہ بھی جاگو جگاؤ انتہائی نصیحت آموز رہا۔ خیال کے پھول بھی عمدہ رہے۔ "دومی کی حکایت" "چاولا بیٹا اور ایک بیٹا بھی" ٹھیک رہی۔ پورے کا پورا رسالہ انتہائی عمدہ اور شروع سے آخر تک دل چسپ رہا۔ آپ سے ایک بات پوچھنا ہے کہ اگر کوئی نونہال ۲۲ کوپن بھر کر بھیجے تو کیا اُسے ۲ کتاب تحفے میں ملیں گی؟ وسیم کے معنی کیا ہیں؟

یحییٰ خان، کراچی

> وُسیم کے معنی حسین کے ہیں، نیکی کے معنی بھی ہیں۔ ۲۲ کوپن بھیجنے والے دو کتابوں کے تحفے کے مستحق ہوں گے۔

* میں پہلے سندھی رسالہ "گل پھل" پڑھتا تھا، مگر ایک دوست نے ہمدرد نونہال پڑھنے کو دیا۔ آپ یقین جانیے کہ مجھے اور کوئی رسالہ پسند نہیں آیا جتنا نونہال پسند آیا۔ میں حکیم محمد سعید صاحب کے دیگر کتب ہمدرد خبرنامہ، نورستان اور ایک کتاب ریاضیات کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ میں جون ۱۹۸۵ء کا پہلی دفعہ نونہال پڑھ رہا ہوں۔ کہانیوں میں وفادار کی موت، دو سیب پسند آئیں۔

غلام مصطفےٰ راجپوت، سانگھڑ

* چاولا بیٹا اور ایک بیٹا اور کھویا ہوا لعل قابلِ تعریف تھی۔

محمد ارشد، کراچی

* تازہ نونہال بہت پسند آیا۔ مستقل سلسلوں کے علاوہ جناب مسعود احمد برکاتی کا مضمون لکھنے کا شوق دل کو بہت بھایا۔ اس سے ہمارے کئی شکوک و شبہات دُور ہو گئے ہیں۔

محمد شہباز، کراچی

* میری عمر ۱۱ سال کی ہے۔ نونہال خریدنے کی ابتدا میری بہنوں نے کی تھی جن کی عمر اب ۱۸ سال کی ہے۔ اس طرح ہم تقریباً ۷ سال سے نونہال کے خریدار ہیں۔ میں اور میرے تمام گھر والے نونہال بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ کہانیاں بہت پسند آئیں۔ تحفے بہت اچھے تھے، لیکن لطیفوں کا معیار گرتا جا رہا ہے۔

محمد ایاز الدین، کراچی

* ساری دنیا جہان کی دل چسپیاں، معروفیات اور معلومات بہ یک وقت ایک ننھے سے رسالے میں بند کر دی جاتی ہیں۔ اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو ہمدرد نونہال سارے پاکستان میں چھپنے والے بچّوں کے رسالے میں نمایاں ہے، بلکہ ان سب کا واضح طور پر نمائندہ بھی ہے۔ اسے تو آپ بچّوں کے رسالے کا پاکستانی سفیر بنا کر باہر کے ممالک میں متعارف کرائیں۔ ہمدرد نونہال بیک وقت کمپیوٹر بک اور انسائکلو پیڈیا بھی ہے۔ کمپیوٹر بک اس لیے کہ جس چیز کی خواہش پیدا ہوتی اس میں مل گئی۔ جس چیز کے بارے میں تجسّس پیدا ہوا پورا ہو گیا۔ جون کے ہمدرد نونہال میں کام یابی کے سات اصول، آندھیاں اور طوفان، بحیرۂ مُردار خاصے دل چسپ اور معلوماتی مضمون آئے۔ مصنفین کو مبارک باد قبول ہو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ اور حکیم محمد سعید صاحب بیرونِ ممالک آتے جاتے رہتے ہیں۔ آپ کے پاس کافی تصویریں بھی ہوں گی ان ممالک کی۔ پھر بھی سرورق پر وہ دیکھے بھالے بچّے یوں چھاپے جاتے ہیں جیسے کوئی اور ہی مخلوق ہوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ قدرتی مناظر وغیرہ اور دوسرے ملکوں کی نادر تصاویر شائع فرما کر مشکور فرمائیں۔

محمد سجاد اصغر، شاہدرہ

* حکیم محمد سعید صاحب جس طرح جاگو جگاؤ لکھتے ہیں دل پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ اس دفعہ بھی جاگو جگاؤ نے بے حد متاثر کیا۔ سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ لفظ اعراف کے معنی بتا دیجیے۔

کلیم احمد کھوکھر، گھوٹکی

> جنت اور دوزخ کے درمیان ایک مقام کا نام اعراف ہے، جہاں کے رہنے والے دوزخیوں اور جنتیوں کو پہچانیں گے۔

* جون کا نونہال بہت پسند آیا۔ چالاک خرگوش کے بدلے کوئی اور مزے دار کہانی شائع کریں۔ راجا شنکر شہزاد، سجاول

* تازہ شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس سال کے خاص نمبر میں اگر کوئی ناول شامل کر دیا جائے تو واقعی مزہ آجائے گا ویسے تو نونہال کا ہر شمارہ خاص نمبر ہوتا ہے۔ سید فیصل عباس شاہ جعفری، مردان

خاص نمبر میں طویل کہانیاں بھی ہوں گی۔

* بہت عرصے کے بعد نونہال میں شریک ہو رہا ہوں۔ یہ نہ سمجھیے گا کہ نونہال سے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہیں، جون کا شمارہ بہتر رہا۔ تمام کہانیاں اور مضامین عمدہ تھے۔ سوائے حکیم صاحب کے جاگو جگاؤ کے اور کسی بڑے ادیب کی رمضان کے متعلق کوئی تحریر نہیں تھی، لیکن نونہالوں کی تحریریں خاص طور پر رمضان کے متعلق بہت عمدہ تھیں۔ افضال صاحب کے "کامیابی کے سات اصول" نے بہت متاثر کیا۔

سید سہیل احمد یاسی، کراچی

* میرا بیٹا محمد سرفراز ملک بڑے شوق سے دو سال سے نونہال پڑھتا ہے۔ ہر رسالے کو اپنے پاس محفوظ رکھ رہا ہے۔ جاگو جگاؤ مجھے بھی بہت پسند ہے۔ اس میں بچّوں کے لیے ہی نہیں بڑوں کے لیے بھی نصیحت ہوتی ہے۔ اللہ کرے حکیم محمد سعید صاحب جس طرح ملک و ملت کی خدمت کر رہے ہیں اُس میں کامیابی ہو۔

محمد اسلم ملک والد محمد سرفراز، ملیر

* جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔ کہانیوں میں کھویا ہوا لعل، دو سیب اور پہلی مسکراہٹ لاجواب تھی۔ کہانی "اب میں سانپ سے نہیں ڈرتی"، بالکل بور اور بے جان تھی جہاں تک کہانی وفادار کی موت کا تعلق ہے تو وہ بھی بہت پرانی گھسی ہوئی کہانی تھی صرف کردار اور تھوڑی بہت تبدیلی کر دی گئی تھی۔ نظمیں اور لطیفے بس ٹھیک تھے۔ محمد عاصم برنی، کراچی

تم نے پنسل سے تصویر بنا کر بھیجی ہے۔ پنسل سے بنی ہوئی تصویر نہیں چھپ سکتی۔

* پہلے ہمارے ابّو ہمیں بچّوں کے تمام رسالے پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ تم جو رسالے میں پیسے لگاتے ہو تو اس پیسوں کی کوئی چیز کھا لیتے۔ ایک دن میں نے کہہ دیا کہ ابّو، جو فائدہ نونہال میں ہے وہ بازار کی گلی سڑی چیزوں میں نہیں ہے۔ اس بات نے ابّو کے دل میں گھر کر لیا۔ اب مجھے کبھی ابو رسالہ نونہال پڑھنے کو منع نہیں کرتے بلکہ خود بھی ہر ماہ اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ عبدالرزاق ندیم، کراچی

* جناب علی اسد کے قلم نے اب تک نونہال میں جو کہانیاں بھی لکھی ہیں میں انھیں دس دس بیس بیس مرتبہ پڑھ چکی ہوں، لیکن جی نہیں بھرتا۔ نونہال میں جناب علی اسد کی ایک نہیں بلکہ دو کہانیاں شامل کیا کریں۔ سمیرا نوین، ملیر کالونی

* میں ہمدرد نونہال نو سال سے پڑھ رہا ہوں اور میری عمر انیس سال ہے۔ گیارہ سال سے مسلسل نونہال پڑھ رہا ہوں۔ جاگو جگاؤ اور طب کی روشنی میں بڑے ہی مفید سلسلے ہیں۔ ان سلسلوں سے پورے پاکستانی اور بیرونِ ملک والے بھی چھوٹے بڑے سب اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے گھر کے سامنے ایک بڑے میاں رہتے ہیں جن کی عمر اب ۶۵ سال ہے عینک لگا کر نونہال ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔ عبدالرحمٰن خانی، کورنگی

* اس مرتبہ بھی نونہال پہلے کی طرح دل چسپ اور معلومات کا مجموعہ تھا۔ بزم نونہال میں جو ایک خط چھپا تھا کہ ان کا علمی تحفے کا ایک کوپن گم ہو گیا ہے میں اپنے اس نونہال بھائی کی مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ علمی تحفے سے محروم نہ رہیں۔ میرے پاس ایک کوپن زیادہ ہے۔

محمد شبّر لم۔ اے ۱/ ۲۰ لانڈھی کالونی، کراچی ۳۰

* مجھے تحریری شوق بہت ہے مگر اسے اب تک فروغ حاصل نہیں ہوا، کیوں کہ کوئی بھی ہم سے تعاون نہیں کر رہا۔

ذکیہ سلطانہ مغل جیکب آباد

اگر شوق ہے تو لکھے جاؤ، لکھے جاؤ۔ تمھاری تحریر مشق سے اتنی خوب صورت ہو جائے گی کہ ایک دن سب تعاون کریں گے۔

* جون کا سارے کا سارا نونہال اچھا تھا۔

محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

* جون میں آپ نے میرے خط کا جواب دیا ہے۔ پہلے تو میں اس بات کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی، لیکن ایک تصحیح کی بھی گزارش کروں گی۔ میں نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ روس میں جو بچے حساب میں کم زور ہوتے ہیں انھیں چپس کھلایا جاتا ہے۔ لفظ "چپس" میں صرف ایک نقطہ بڑھ جانے سے پورا مفہوم بدل گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میری یہ بات پڑھ کر بہت سے ساتھیوں نے بے تحاشا چپس (آلو وغیرہ کے) کھا کر اپنی ذہانت میں اضافہ کرنے کی ناکام کوشش ضرور کی ہوگی۔

* جون میں میرا خط شائع ہوا تھا، اس موقع پر مجھے خوش ہو جانا چاہیے تھا مگر یہاں تو معاملہ اس کے برعکس ہوا، یعنی میں خوش نہیں ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ آپ نے میری تنقیدی خط تو شائع نہیں کیے مگر میرا تعریفی خط شائع کر دیا۔ شاید آپ اپنی کامیابیوں کی وجہ سے اتنے مغرور ہو گئے ہیں کہ کسی بھی اس آدمی کی تحریروں کو رسالے میں جگہ نہیں دیتے جو صاحبِ حیثیت نہیں ہے۔ ہمارے راہ نماؤں نے بڑی جدوجہد کے بعد آزادی حاصل کی تھی مگر اب ہم اس کی قدر نہیں کر رہے ہیں۔ ہر کوئی ملک سے باہر سے ملازمت کرنا چاہتا ہے۔ حال آنکہ بیرونِ ملک میں ملازمت کرنے کے بجائے ملک کی ترقی کی راہوں پر گامزن کرنا چاہیے۔

پرکاش کمار کا چھیلا، شہداد کوٹ

> واہ بھئی پرکاش جی، خط کی زبان تو مزے دار ہے لیکن مغرور نہیں مجبور ہو گیا ہوں۔ تم شوق سے تنقید کرو۔ تنقید تو محبت کی علامت ہے۔

* تمام تحریریں بہت اچھی تھیں۔ نظم "پیارے بچے" میں وطن کے بچوں کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس کی مصوری میں تو مجھے اپنے وطن کے بچے کہیں نظر نہیں آئے۔ آپ اشتہاروں کے ساتھ آدابِ اخلاق کے نام سے جو اقوالِ زریں شائع کرواتے ہیں وہ مجھے بہت پسند ہیں۔ آپ ایسے اقوال اسٹیکرز پر چھپوا کر تصویری کارڈوں کی طرح ہمیں بھیجیے تاکہ تمام نونہال اپنے گھروں اور کتابوں میں ان کو لگا سکیں۔

قدسیہ غازی، اسلام آباد

* جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ وفادار کی موت نمبر لے گئی۔

عامر یوسف، فیصل آباد

* اب میں آپ کو کوئی نظم، کوئی لطیفہ اور کوئی کہانی نہیں بھیجوں گا۔ میں جب آپ کو کوئی چیز بھیجتا ہوں آپ اس کو واپس کر دیتے ہیں۔ میری نظم وغیرہ قابلِ اشاعت نہیں ہوتی تو آپ اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا کریں۔ ویسے بھی آپ تو خود کہتے ہیں کہ ہم نونہالوں کا خیال رکھتے ہیں۔ میں نہیں مانتا۔

شہزاد نیازی، سکھر

> میاں شہزاد، ابھی محنت کرو۔ گھبراؤ نہیں۔ نظم کے بجائے نثر لکھنے کی مشق کرو اور کسی استاد سے اصلاح لیا کرو۔

* آپ نے نونہال میں معلوماتِ عامہ میں جتنے سوالات شروع سے لے کر اب تک شائع کیے ہیں اُن سب کا مجموعہ بنا کر ایک علاحدہ کتاب شائع کی جائے۔ اس کے علاوہ جلد از جلد "دو مسافر دو ملک" کتابی شکل میں شائع کریں۔

سید افضال احمد، رحیم یار خان

* کہانیاں اور لطیفے بہت اچھے ہیں۔

رضوانہ محمود، کراچی

* پہلے والا نونہال جو ۷۰ء کے عشرے میں نکلتا تھا، وہ نونہال میرا بڑا بھائی خریدتا تھا، میری نظر سے بھی گزرتے تھے بہت ہی اچھے تھے، لیکن اس وقت بھی پورے سندھ میں بچوں کا معیاری اور واحد منفرد رسالہ ہے۔

جان علی کھتری، میرپور بٹھورو

* کہانیوں میں دو سیب اور پہلی مسکراہٹ اچھی تھیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ رسالے کی جان ہے۔ لطیفے خوب تھے۔ نظموں میں "گرمی کی چھٹیاں" پسند آئی۔

ہما گلنار، کراچی

* ساری چیزیں بہت اچھی تھیں۔ البتہ لطیفوں کا معیار بڑھائیے۔ نونہال مصور میں زرافشاں کی بنائی ہوئی تصویر بہت عمدہ تھی۔ آپ سرورق کا کوئی عنوان رکھیے اور اول، دوم اور سوئم آنے والے عنوان کو اگلی مرتبہ نونہال میں شائع کریں۔ اُن عنوانوں پر جو سب سے اچھی کہانی لکھے اُسے ایک ماہ کا نونہال مفت

دیں۔ تنزیل امان، حیدر آباد

* رسالہ بہت ہی خوب صورت انداز میں نکلتا ہے۔

کامران اصغر، سرگودھا

* مضمون کام یابی کے سات اصول ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ نونہال کے صفحہ ۹۸ پر راؤ ذوالفقار علی معوذ کی تحریر شائع ہوئی۔ یاد رہے کہ امریکا کا دارالحکومت نیویارک نہیں بلکہ واشنگٹن ہے۔

سرفراز درانی، راول پنڈی

* نظموں میں خاص کر سویرا، گرمی کی چھٹیاں اور پیارے بچے قابلِ تعریف تھیں۔ خرم عادل، حیدر آباد

* ہمدرد نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ جون ۸۵ء کے شمارے میں صفحہ ۱۰۲ پر کہانی "بہادر لڑکا" سندھی کی چوتھی کتاب کے سبق 'بارہ جو کارنامو' سے نقل کی گئی ہے۔ لکھنے والے نے معمولی فرق کے ساتھ یہ کہانی آپ کو لکھ بھیجی ہے۔ سلمان علی، کراچی

نقل نہیں ترجمہ کہنا چاہیے۔

* ہمدرد نونہال کا معیار بڑھتا جا رہا ہے۔ مجھے خاص طور پر حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور کام یابی کے سات اصول بہت پسند آئے۔ شبنم الیاس، کراچی

* خیال کے پھول کا عنوان میرے خیال میں "سنہرے پھول" ہونا چاہیے۔ طارق حمید خان نیازی، پائی خیل

* میں تیسری جماعت میں پڑھتا ہوں۔ اب مجھے بھی پڑھنا آگیا ہے، اس لیے میں نونہال بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اور پڑھتا رہوں گا ان شاء اللہ۔ شاہد رضا، ٹھٹھہ

* ہمدرد نونہال اتنے شوق سے پڑھتا ہوں کہ بس پوچھیں نہیں لیکن میں نے نہ جانے اب تک نہ جانے کتنے خط اور کتنی تحریریں بھیجیں ہیں، لیکن میری ایک بھی تحریر اور ایک بھی خط نہیں چھپا۔

عابد علی، کراچی

خط چھپ گیا، تحریر بھی چھپ ہی جائے گی۔

* تمام مضامین کہانیاں اور نظمیں اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ اور کام یابی کے سات اصول نے زندگی کی منزل اور قریب کر دی۔

فائزہ نجیب صدیقی، کراچی

* میں نونہال کا بڑا پرانا قاری ہوں۔ میری پیدائش سے پہلے کے نونہال بھی میرے پاس ہیں۔ جو بھائی جان پڑھتے تھے۔ نونہال بہت اچھا اور مفید رسالہ ہے۔ محمد مبشر، لاہور

* جولائی کا چمکتا دمکتا، خوب صورت سرورق اور عید مبارک والا نونہال پڑھا تو دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اتنا شان دار رسالہ یہ واقعی پاکستان کا واحد رسالہ ہے۔ چند کہانیاں مثلاً بڑا اسرار جھیل، ایک بہادر ہوا باز کی کہانی، بڑا تحفہ، آخر وہ مالک بن گیا اور دل چسپ تصویریں بنائیں ہیں بے حد پسند آئیں۔ کہکشاں ترنم، کراچی

* کہانیوں میں پہلی مسکراہٹ، وفادار کی موت اور چار نابینا اور ایک بینا، اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ پہلے کی طرح اپنی شان قائم کیے ہوئے ہے۔ رانا سبحان اشرف، ٹنڈو آدم

* جون کا شمارہ ہمیں بہت پسند آیا۔ خاص کر جاگو جگاؤ، پہلی بات، بحیرۂ مردار اور خیال کے پھول نے ہمیں بہت متاثر کیا۔ مسکراتے رہو میں نئے لطیفے دیکھ کر سب کا جی خوش ہو گیا۔ محمد علی خٹک، نظیر محمد، محبوب حسین، شوکت علی خٹک، کراچی

* دو سیب اور پہلی مسکراہٹ اور کام یابی کے سات اصول نے متاثر کیا۔ اس دفعہ کے لطیفے بھی اچھے تھے۔

فرخ رشید، حیدر آباد

* اس مرتبہ تمام کہانیاں اور لطیفے اچھے لگے۔

عمران منشاء اللہ، کراچی

* اس شمارے کا سرورق بہت خوب صورت تھا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات پہلے کی طرح بہت پسند آئیں۔ کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ کارٹون، لطیفے، اخبار نونہال، دل چسپ کھیل، ہمدرد دانش انسائیکلوپیڈیا بہت اچھی تھیں۔ نونہال ادیب کی تمام کہانیاں اچھی تھیں۔

عبدالغفور خان، بہاول پور

* تمام کہانیاں معیاری ہیں خاص طور پر "وفادار کی موت" اور پہلی مسکراہٹ بہت پسند آئیں۔ میری ایلین چیز کی کہانی کا مضمون "آپ میں سانپ سے نہیں ڈرتی" بھی بہت اچھا رہا۔ سارہ حیدر اعوان، ملتان

* جاگو جگاؤ اور دو سیب قابلِ ذکر ہیں۔
پرنس محمد ابراہیم معصوم، دوہڑی اسٹیشن

* جون میں صفحہ ۳۸ پر آیت وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہ میں ف کے اوپر زبر لگنے سے رہ گیا ہے۔ اسی صفحے پر دوسری آیت وَھُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ہ میں خیر کی ر پر پیش اور النّٰصِرِیْنَ کے پہلے نون پر زبر لگنے سے رہ گیا ہے۔ محمد قیصر فہیم، خان پور

شاباش قیصر میاں! نونہال نوٹ کر لیں اور یہ آیتیں جس طرح اوپر لکھی ہیں اُسی طرح پڑھیں۔

* میں نے ہمدرد نونہال "عید کا تحفہ" پڑھا اور بہت مزہ آیا۔ پہلی بات میں ایک بچی غزالہ منیر شیخ نے لاڑکانہ سے خط لکھا تھا کہ ہمدرد نونہال کے ٹی وی اور اخبارات میں اشتہارات کیوں شائع کیے جاتے ہیں یہ بات تو غلط ہے اور آپ یقین کریں تو میں نے ہمدرد نونہال کا لفظ ٹی وی اور اخبارات ہی میں دیکھا اور سُنا اس کے بعد خرید کر پڑھا۔

انعام علی لاڈر، خیر پور لقمان

* نونہال جون کی چند غلطیوں کی طرف توجہ دِلا رہا ہوں (۱) مشکل الفاظ کے معنی میں لکھا ہے کہ اساتذہ استاذ کی جمع ہے۔ (۲) نونہال ادیب میں اشتیاق علی مردان نے لکھا ہے کہ کویت ۱۹ جون ۱۹۶۱ء کو آزاد ہوا۔ جب کہ کویت ۲۵ فروری ۱۹۶۱ء کو آزاد ہوا ہے۔

محمد عامر، کراچی

عامر میاں! غلطیوں پر توجہ دلانے کا شکریہ، لیکن استاذ غلط نہیں ہے۔ یہ عربی لفظ ہے۔ جس کو ہم اردو میں استاد کہتے ہیں۔ اساتذہ استاذ کی جمع ہے۔ کویت والی بات آپ کی صحیح ہے۔ اشتیاق علی میاں نے تحقیق کے بغیر لکھ دیا تھا۔

* کہانیاں اچھی نہیں تھیں۔ اس مرتبہ بزم نونہال میں میرا خط نہیں شائع ہوا بلکہ صرف نام شائع ہو گیا۔ چھے سال سے یہی ہو رہا ہے۔

شائستہ وجاہت، کراچی

* جون میں دو سیب (علی اسد) کھویا ہوا لعل (ہرمزی جلیل قدوائی) اور جاگو جگاؤ حکیم محمد سعید بہت پسند آئے۔ فاروق علی، کراچی

* قمرالدین میرانی کی کہانی "بہادر لڑکا" اردو کی پانچویں کتاب سے نقل کی گئی ہے (حنیف احمد، کراچی) چوتھی کلاس کی سندھی کی کتاب سے نقل شدہ ہے۔ (خالد احسن، کراچی) آسان اردو کی چوتھی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ (محمد اقبال، خیر پور میرس) پانچویں کی گرامر سے نقل شدہ تھی۔ (ثاقب مجید، فیصل آباد)

چار نونہالوں نے قمرالدین میرانی کی کہانی "بہادر لڑکا" کو نقل شدہ تو بتایا ہے، لیکن ہر ایک نے کتاب کا نام غلط لکھا ہے۔ یہ کیا قصّہ ہے۔

* خاص نمبر میں میرے خیال میں نونہال مصور اس مرتبہ دو صفحے کے بجائے اگر تین یا چار صفحے کا ہو تو مزہ آجائے۔ خاص نمبر میں برکاتی صاحب اپنے بچپن کے حالات اور شرارتیں لکھیں تاکہ خاص نمبر میں جان آجائے۔ نگہت ذاکر، کراچی

پہلے کچھ شرارتیں کر لوں تو لکھوں۔ اب تک تو صرف ایک شرارت کی ہے وہ ہے ہمدرد نونہال۔

* نونہال ادیب میں شازیہ کنول، نواب شاہ کی نعت چوتھی وہ نقل شدہ تھی۔ یہ نعت ٹی وی پر آچکی ہے اور کسی اچھے شاعر کی ہے۔

ظفر فاروقی، کراچی

ظفر بیٹے، بُری بات، خط فرضی نام سے نہیں لکھتے، بُری بات۔ آیندہ ایسا نہ کرنا، سمجھ گئے نا۔ شاباش۔

* جون کا ٹائٹیل کچھ خاص اچھا نہیں تھا، لیکن کہانیاں اس دفعہ بہت ہی اچھی، دل چسپ، سبق آموز اور مزے دار ہیں۔ جناب تنویر پھول کی نظم گرمی کی چھٹیاں بہت پسند آئی۔ لطیفے پرانے اور بور تھے۔ کیا ایک ہی شمارے کے بارہ کوپن بھیجیں تو تحفے میں کتاب مل سکتی ہے۔ محمد حسین شاد، سرائے سدھو۔ لبنیٰ زیدی، کراچی

جی ہاں، چاہے وہ کوپن کسی ایک مہینے کے ہوں، تحفے کے مستحق ہیں۔

* جون میں نونہال ادیب کے صفحہ نمبر ۹۸ پر مختلف ملکوں کے دارالخلافے میں چین کا دارالخلافہ بیجنگ درج ہے، جب کہ اصل نام پیکنگ ہے۔ انور علی، حب چوکی

تمھارا خیال صحیح ہے، مگر اب پیکنگ کو بیجنگ لکھا جانے لگا ہے۔

* جون میں کہانیاں بہت خوب صورت تھیں، مگر میں آپ کی توجہ ایک اہم بات پر دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ پریوں اور جنّات کی کہانیوں سے جو سبق آپ نونہالوں کو دینا چاہتے ہیں وہ نہیں دے سکتے، کیوں کہ یہ دور اٹمی دَور ہے اور پریوں و جنات کی کہانیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ حفیظ الرحمٰن شیخ، سکھر

جگہ کی کمی کے باعث ان نونہالوں کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

مارقی: غلام مصطفےٰ ملک۔ شہداد پور: جمیلہ رانی رجا۔ شورو: سلمان گل خان خٹک۔
کراچی:۔ محمد نجم الحق، ذوالفقار علی، جاوید اقبال، محمد عمران عادل، لبنیٰ
سرور، رضوان فیاض، شاہد منور حسین وارثی، اطہر سلطان، جمی، حبیب الرحمٰن،
عدنان رضا، طاہر نعیم، نورین نعیم، نگہت ذاکر، محمد شہباز، محمد مٹھل،
محمد حسین ابراہیم، سید محبوب شاہ، افتخار احمد قریشی، عبدالنادر انصاری،
امین حسن علی، صوفیہ احسان، عبدالرحمٰن، سید ناصر حسین، محمد حبیب
خان، مینہ ابراہیم، محمد عارف ذکی، انجم العارفین، سید سبط شبر زیدی،
عابد علی، محمد منیر ثاقب، ریحان عمر، کاشف حسن خان، محمد خالد رانا،
رفعت سجاد، شکیلہ نجمی، عزت گل، نازیہ جلیل، نادیہ جلیل، عمران شریف،
طاہر انصاری، تنویر شعیب، فیصل شعیب، بینش شعیب، محمد احسان،
شازیہ حق، آصف مونگ، طلعت نجمی، محمد سہیل خان، سید عبدالرشید،
نعیمہ سبحان، سید نجم الحسن عابدی، فریدہ شیخ، معراج نور خاں، شہلا
عرفان زیبا، محمد یونس حسین، کہکشاں ترنم رومی، سید نہال اظہر علی
کرمانی، محمد فاروق ساگر، طاہرہ علی، لیلیٰ مسعود نقوی، محمد انوار کمال،
عمران اعظم، کامران سمیع، احمد بیگ، محمد وصی شفیع، نوازش عباس بٹ،
محمد ندیم اصغر، اجمیر خان نیازی، منور اشرف فاروقی، امین صدرالدین،
سید عبدالعزیز عزمی، سید فیصل احمد بخاری، عائشہ صباحت، سید فرحت
حسین، مہر فاطمہ شمسی عرف شوکی، ملک مسرور احمد، فرح ناز شہاب الدین،
سید کاظم حسین، عبدالماجد، شبانہ سمیع، محمد آصف انصاری، احمد محمود،
تنویر شعیب، سعدیہ قریشی، معفیہ قریشی، محمد جاوید غلام رضا، عبدالغفور،
وسیم صادق، ناظمہ ارم، کامران رشید، ملک جلال احمد، محمد وسیم خان،
امتیاز احمد خان، نذیر شاہد، سید فیصل انوار، عتیق الرحمٰن، ذاکر خان،
صوفیہ حسینی، فضل سبحان، شہر بانو احمد، ماجد علی خان، محمد ابراہیم،
ایس۔ ایم مہدی، غلام محمد، جاوید عبدالغفور، فرزانہ گل، مجتبیٰ علی خان۔
رؤف بدر، خالد محمود قریشی، اطہر حسین، سہیلا محی الدین۔ فیصل آباد: فوزیہ
رشید شیخ۔ حاصل پور: عبدالرشید تبسم۔ ساہیوال: مسرت ناز۔ صوابی: رفیع اللہ
شہاب۔ حیدر آباد: ضیاء آگرہ۔ میانوالی: مقبول احمد زاہد۔ ملتان: محمد اجمل نعیم۔
ٹنڈو جام: محمد قدیم بیگ، گل منیر نظام۔ ملتان: عامرہ جاوید۔ پشاور: قیصر محسن۔

شکارپور: وسیم اللہ۔ جیک آباد: امیر محمد، ذکیہ سلطانہ مغل۔ لاڑکانہ: مسکین زیر جیبی نگی۔
روہڑی: شعیب احمد، نشورانی قریشی، حسنین شیخ۔ سکھر: شبانہ اسحاق،
ریحان رضوان خان۔ لطیف آباد:۔ عرفان ناصر، طلعت بشیر، نہال صدیقی،
گلناز بیگم۔ حیدر آباد:۔ کاشف راجپوت، محمد خالد اعوان، محمد ظہور خواجہ،
آصف ظفر، نوید آگرو، عارف حسن راجا، ندیم احمد کھتری، عائشہ ملک عزیز۔
میرپور خاص: ندیم جاوید، ندیم الرحمٰن۔ شمس آباد: محمد سلیم بھٹی۔
شجاع آباد: مسعود احمد۔ اسلام آباد: شجاعت علی خان بیٹو۔ کھیوڑہ:
راجا سہیل احمد جنجوعہ۔ منڈی بہاؤ الدین: نصرت جبیں بگران: لعل
بخش آزاد بلوچ۔ کوئٹہ: محمد رفیق طاہر۔ کنڈیرا: رحمت اللہ قریشی۔
ڈیرہ غازی خان: ناصر محمود خٹک۔ پشاور شہر: قیصر رشید۔ اوکاڑہ: صاحبزادہ
مجاہد حسین۔ ملتان: بلال احمد پال۔ ایبٹ آباد: عمر فیاض۔ سیالکوٹ:
فیضان اکبر کاظمی۔ کشمور: ہرشچند۔ ٹنڈو آدم: محمد افضل انصاری۔
نواب شاہ: افتخار احمد راجپوت بھٹی۔ بدین: راحت جبین۔ چمن:
سید عبدالوہاب۔ تنزبابالا: محمد ساجد۔ بسنی: شاہد پرویز بیو۔
جھنگ شہر: محمد یونس۔ راول پنڈی: عاطف نسیم۔ جامپور: محمد اسحٰق۔
گوادر: عبداللہ غازی الجوہر۔ ملتان: غضنفر عباس۔ بیول: امجد
قریشی۔ جامپور: ساجد جمال پنافی۔ کھیوڑہ: صابر حسین شاہین۔
بھکر: طارق محمود ہاشمی۔ مقام نامعلوم: محمد سہیل یوسف چھیپہ،
عائشہ کنول، سید غلام عباس، طارق عزیز، ریاض حسین، محمد راشد خان،
نذیر احمد ساحر، شکیل احمد، ارم اقبال، محمد شمائل حیدر، سید محمد آصف،
وسیم ممتاز راتھی، سید محمد رضا، ذکی خان۔ عارف عبدالسلام
لطیف آباد:۔ ذکیہ جمیل احمد، مسعود احمد، نورین میمن۔ اسلام آباد:۔
نیلوفر تبسم۔ راول پنڈی: محسن الرحمٰن، نویدہ رؤف، کاشف حسین، اعجاز۔
سکھر: عاصم اظہر، شازیہ گیلانی، رخسانہ حبیب۔ سانگھڑ: جہانگیر معروف، غلام
رسول پارس، نواب شاہ، جاوید ممتاز خانزادہ، فوزیہ شاہ، محمد علی شیخ۔
ٹنڈو الہ یار: صابر عنایت۔ میرپور خاص: گلزار احمد شیخ، اقبال احمد شیخ،
ابرار احمد شیخ۔ بہاول نگر: رانا امجد حسین امجد۔ لاڈہ: محمد الیاس تنویر۔
ایبٹ آباد: الف اعظم، این قاضی۔ شکارپور: خالد محمود۔ مٹیاری: شمس الدین

معلومات عامہ ۲۳۰ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے معلومات عامہ کے جوابات میں حصہ لینے والوں میں دل چسپی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے کہ جن کی عمر اچھی ہوگئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام ہے۔ معلومات عامہ ۲۳۰ کے صحیح جوابات یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کا پیشہ بت تراشی تھا۔

۲۔ ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے۔

۳۔ پنجابی زبان کی سب سے مشہور رومانی داستان ہیر رانجھا، وارث شاہ ہے۔

۴۔ لندن کے پارک جس میں ہر شخص کو ہر بات کہنے کی آزادی حاصل ہے اُس پارک کا نام ہائڈ پارک ہے۔

۵۔ پاکستان کی سب سے لمبی سڑک شاہراہ پاکستان ہے۔

۶۔ پاکستان کی سب سے اونچی چوٹی کا نام کے ٹو ہے۔

۷۔ مشہور عالم دین اور رہنما مولانا عبید اللہ انور ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔

۸۔ بمبئی سے سندھ کو ۱۹۳۶ء میں علاحدہ کرکے مستقل صوبہ بنایا گیا۔

۹۔ کینیڈا کے دارالحکومت کا نام اوٹاوا ہے، جو اونٹاریو صوبے میں ہے۔

۱۰۔ نابیناؤں کے لیے جو مخصوص تحریر بریل ایجاد کی گئی اس کے موجد لوئی بریل تھے۔

۱۱۔ بابائے طب بقراط کو کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں بغداد کو عروس البلاد کہا جاتا تھا۔

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

سلیم انور عباسی
شاہد اقبال شاہد
ہلال نصر
صنوبر اقبال
عظمیٰ اقبال

نواب شاہ

محسن رجب علی
شبیر حسن رجب علی
انیلا رجب علی

سانگھڑ

فرید احمد قریشی
محمد یامین کیانی
دفا غلام نبی شیخ
لطیف حیدر خاصخیلی
شاکر علی منصوری
محمد امین سیف الملوک
بابر رحمٰن معرانی، حیدرآباد
غزالہ رحمٰن معرانی، حیدرآباد
سہیل اختر خان حیدرآباد

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

کامران رشید، کراچی

محمد طاہر آرائیں، سنجھورو

سید محمد جاوید اقبال بخاری، کراچی

سید نعیم احمد، کراچی

سید محمد سلیم اقبال بخاری، کراچی

احمد علی، کراچی

غالب رحمٰن معرانی، حیدرآباد

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

فیصل عظیم
محمد عامر قمر
محمد سرور ایوب
عامر الدین
حافظ ملک شہباز احمد
طلعت عذرا
محمد مسعود ذکی
آمنہ شازیہ رفعت
محمد اشرف ایوب
محمد اختر جمال بن ایوب
محمد اظہر ایوب
شہلا عرفان فاطمی
فیصل مشتاق
سید رفعت علی

ثروت ابدالی
عطیہ پاشا تیموری
راحت لودھی
سید قنبر حسین رضوی
شیخ محمد اشعر حسین
محمد انور حسن
محمد ذیشان ایوب

محمد سہیل ایوب
عمران احمد نعمانی
فرزانہ خاصخیلی

سانگھڑ

لطیف حیدر خاصخیلی
مبارک علی خان شیخ
کامران غوری، عمران غوری

پرنس جاوید غوری
پرنس کاشف غوری
شگفتہ رفیق
پرنس ہاشم علی غوری
پرنس وقار غوری
ایم جاوید غوری
بابو شیوا رام ماتھی

وفا غلام نبی شیخ

ملتان

تقی الدین
بلال احمد
محمد رؤف احمد

جام شورو

محمد حارث ہاشم

خیرپور میرس

کوثر محمد
بستی آدھو جہ

شہزادہ ملک فقیر محمد سفری

فیصل آباد

محمد جاوید اقبال ناز
عاصمہ گل، پشاور

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

اعجاز حسین، میرپور خاص | عمران منشاء اللہ، کراچی | محمد ابوبکر صدیقی قدوائی، کراچی | لبنیٰ حسین، میرپور خاص | محمد اسلم ملک، نوابشاہ

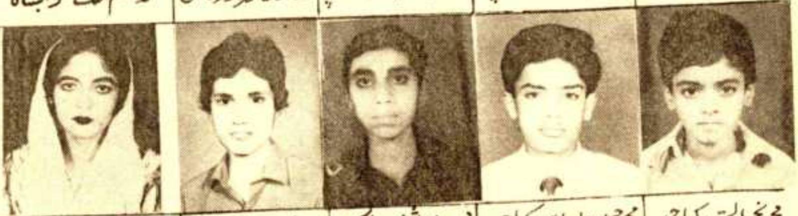

محمد نجم الحق، کراچی | محمد حسین ابراہیم، کراچی | محمد صدیق شیخ، پیر جو گوٹھ | سید شہزاد عالم، کراچی | سید ظلِ ہما، کراچی

محمد ظفر ایوب، کراچی | غلام مرتضیٰ غوری، ملتان | شیخ محمد انور قریشی، کراچی | آفرین خان سرحدی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

افتخار احمد
شمیم احمد
ہما گلنار
سلیم احمد ابدالی
عبداللہ جان
حمیرہ رفیق
آلِ رضا آلِ نبی
رضوانہ ارم
محمود علی
محمد زاہد یوسف
ثمین اطہر
امان اللہ آفریدی
سیما ہاشم
سائرہ سعید
س۔م۔ احمر
آصف ملک
محمد ندیم طفیل
مشتاق رحمت اللہ
ناظمہ ارم
آفتاب تمکین
شمع نور
مہوش جاوید
نورالحسن انصاری
محمد اسد حسن انصاری
یونس خان
ایم ڈی حماد یونس
ریحان جمیل
کوثر
نعیم الحسن انصاری
محمد خالد رانا

حیدرآباد

صائمہ ملک عزیز
نابغہ الیاس

سکھر

حمیرا ناز
مزمل احمد
محمد الیاس عبدہ
حفیظ اللہ شیخ

ٹنڈوالہ یار

شاکر عنایت
عامر عنایت
صابر عنایت

سانگھڑ

علی رضوان خدری

جام شورو

طارق وسیم احمد قاسمی

گوجرانوالہ

رضوانہ میر

فیصل آباد

شہزاد سعید

واہ کینٹ

سید سجاد شاہد

میرپور خاص

اوصاف احمد ارشد

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

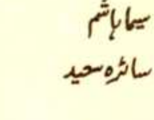
نقیب احمد وزیر، کراچی

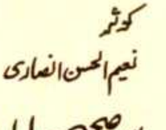
سلمان منیر، کراچی

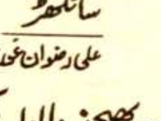
چن زیب، کراچی

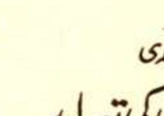
محمد اجمل خان، کراچی

سید عامر رضا شاہ، ٹنڈوالہ یار

سید عاصم رضا شاہ، ٹنڈو الہ یار

جہاں زیب نہال، کراچی

عامر محمود، کراچی

محمد ارشد خاں، کراچی

عقیل الرحمٰن صدیقی، کراچی

سید طٰہٰ کاظم، کراچی

عبدالرزاق ندیم، کراچی

شرجیل قریشی، کراچی

محمد علی، کراچی

طارق اشرف، نوابشاہ

محمد نعیم ملک، میرپور خاص

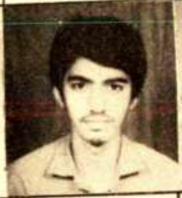

شبیر احمد داؤد پوتہ، تحصیل اٹھل

محمد سلیم خیر الدین، اسلام آباد

صابر اختر، کراچی

ایم طارق خان جدون، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

ملک عطا حسین
لفٹیننٹ لال محمد بلوچ
ندا آفرین
رئیس الحق عدنان
قبیبہ فرید سلطان فرید
مصطفٰی سرمد عباسی

شہلا بشیر
ثوبیہ اظہر
سید نہال اظہر علی کرمانی
سید منظور عدنان
منظر عباس
اورنگ زیب علی پاشا
زیبا صمد

سید عبدالنعیم فہمی
سید عبدالعزیز عزمی
ناہید بانو ندا
سید عبدالحنیف سنی
محمد احسان
غلام عباس
فائزہ ناز

غزالہ حنیف
رضیہ بنت فخر الدین
محمد طارق شہاب
سید اعزاز شکیل کرمانی
سید محمد رضا رضوی
علی اصغر لودھی
سید اختر رضا رضوی

سید قمر رضا رضوی
محمد فیصل معین
محمد احمد جمیل
شیخ محمد وسیم
سیما اختر
محمد فہیم جمیل
سید منظور رضا رضوی
محمد آصف اقبال انصاری
محمد عارف اقبال انصاری
محمد سہیل انور قریشی
شہزاد عارف
صائم علی خاں قادری
سید ناصر احمد
فرقان شمیم
سید شہزاد حبیب
محمد ادریس قمر
وسیم صادق
سید علی نیر زیدی
سید سہیل جواد
صائمہ فاروقی

محمد نجم الحق
ثروت عذرا
سید کاشف کریم
سید سہیل احمد یاسی
لامعہ منیرہ
محمد یونس
سید راشد علی
عسکری حیدر
فہیمہ عزمی
نازش حسین
سحریہ انجم

سکھر

اعجاز احمد شیخ
ادریس مبارک آرائیں
شبانہ اسحاق
شفاء الحسن انصاری

ٹنڈو الہ یار

محمد ذاکر قریشی
وسیم احمد قریشی
سید عبیر رضا شاہ

حمیرا پروین
فاروق عمر خان
جاوید حکیم خان کھوکھر
نوید حکیم خان کھوکھر

حیدر آباد

حفیظ الرحمٰن خان زادہ
عظمیٰ سیمیں
ہما جبیں
لبنیٰ شہریں

سانگھڑ

ثریا غوری
صائمہ عرفان غوری
ذیشان اقبال غوری
شمع اقبال ناز غوری
کرن رانی غوری

فیصل آباد

سہیل ارشد
سیف اللہ
قمر الزماں
ناصر نواب شاہ

راولپنڈی

برہان یوسف
غزالہ رخ
نویدہ رؤف

احمد پور شرقیہ

محمد الیاس سلطان

جام شورو

سلمان گل خان خٹک

خیرپور میرس

قدیر محمد صدیقی

لاڑکانہ

محمد زرنگار عالم

شور کوٹ کینٹ

مظہر رشید انصاری

حویلیاں ہزارہ

امتیاز احمد

میرپور بٹھورو

جان علی کھتری

بعض نونہال مختلف تحریریں ایک ہی کاغذ پر لکھ کر بھیج دیتے ہیں، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہر تحریر مثلاً سوال، تحفے، کہانی، بزم کے لیے خط، غرض ہر چیز الگ الگ کاغذ پر لکھنی چاہیے اور کاغذ کی صرف ایک طرف۔ البتہ ایک لفافے میں آپ بہت سے کاغذ رکھ کر بھیج سکتے ہیں۔

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

حیاتِ انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت وشخصیت اور اعمال ووظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔

روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کر دیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔

لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد غذائی معاون ہے۔

لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

لحمینا — برائے اسٹیمنا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Adarts LA-1/81

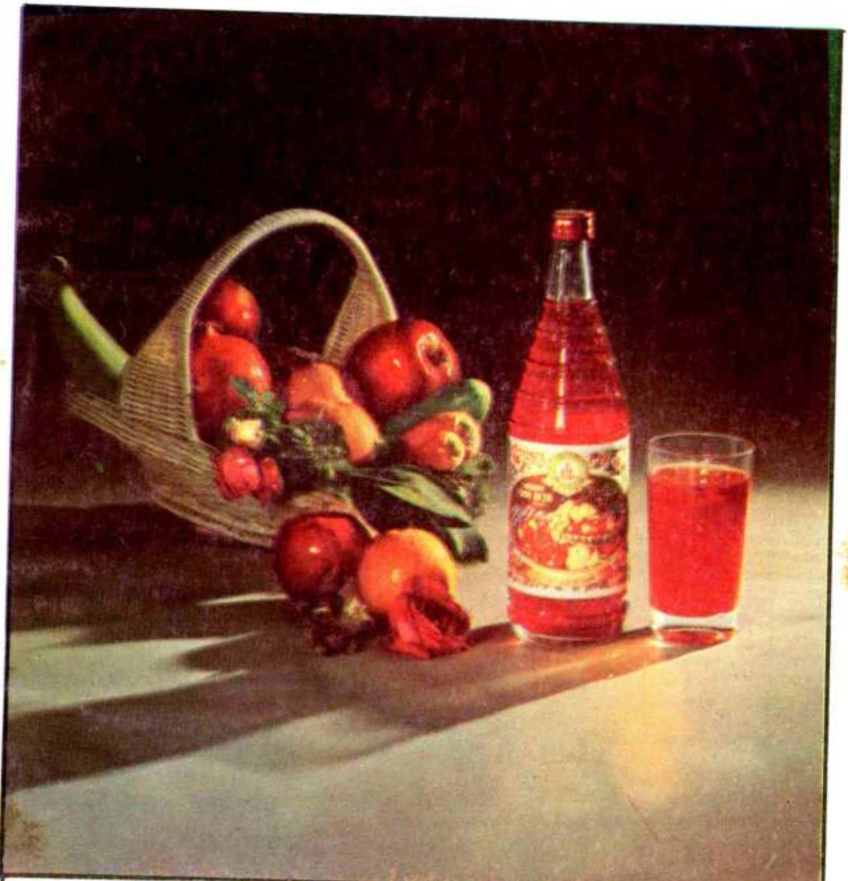

رُوح افزا مشروبِ مشرق

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Adarts/84

آوازِ اخلاق
بدزبانی ذہن کا سرطان ہے